دشتِ گل

دشتِ گل کو دیکھیے سیرِ بیاباں کیجیے
ہائے اس کم بخت دل کا کوئی ساماں کیجیے

زبیدہ تحسین

اشاعت : ۱۹۸۴ء
طباعت : نیشنل فائن پرنٹنگ پریس
کتابت : تاج الدین، چاپل بازار
سرورق : سعادت علی خاں
تزئین کار : ارسطو جاہ، عفت یاسمین، اکبر حفیظ راہی
ٹائٹل : نندی آرٹ پریس

قیمت : سولہ روپیئے ۱۶ــــ ۰۰

ناشر : ثمرین پبلکیشنز جہاں آرزو چھاؤنی ناد علی بیگ
حیدرآباد اے پی

ملنے کے پتے :-

الیاس ٹریڈرس شاہ علی بنڈہ حیدرآباد (۵۰۰۰۰۲)

نیشنل بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد (۵۰۰۰۰۲)

مکان مصنف :- 17-9-600/7 چھاؤنی ناد علی بیگ
عقب گورنمنٹ جونیر کالج



زبیدہ تحسین

انتساب

والدِ محترم مولوی محمد عبدالکریم صاحب مرحوم
دبیر منشی فاضل کے نام
جنھوں نے

جنگلات کی ملازمت پر محکمہ تعلیمات کو ترجیح دی اور آخر
تک اسی سے وابستہ رہے۔

ترتیب

اپنی بات

نام۔ زبیدہ تحسین تخلص۔ میری ۳۵ سالہ شاعری میں میرے پہلے مجموعۂ کلام "دشتِ تمنا" کی اشاعت کے بعد میرے دوسرے مجموعہ "دشتِ گل" کی اشاعت عمل میں آرہی ہے کتاب "دشتِ تمنا" ادارہ "محفل خواتین" کی جانب سے شایع ہوئی ہے جس کو اردو اکیڈمی آندھراپردیش نے انعام اول سے نوازا اور جس کو باذوق حلقوں نے اور مختلف رسائل اور اخبارات نے تبصروں میں کافی سراہا۔

میں مختلف مقامات پر کئی مشاعرے نامور شعراء کے ساتھ پڑھ چکی ہوں۔ جن میں مرہٹواڑہ کے تمام اضلاع اور بمبئی و ناگپور کے مشاعروں میں متعدد بار شرکت کا موقع ملا۔ نیز حیدرآباد اور مدراس میں بھی مشاعرے پڑھے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے خصوصاً نیرنگ پروگرام اور خواتین کے پروگرام میں اکثر و بیشتر کلام سنانے کا موقع ملا۔ جو آج بھی جاری ہے۔

میرا کلام ملک و بیرون ملک کے رسائل میں اکثر شائع ہوتا رہا ہے۔

خاص کر "ایوان حیدرآباد نمبر" میں میری غزل فوٹو مع سوانح شائع ہوئے۔

۱۹۵۱ء میں نصیر الدین ہاشمی نے میرے کلام پر تبصرہ "سب رس" میں شائع کیا۔ مرہٹی میں بھی میرے کلام پر تبصرہ شائع ہو چکا ہے جو مرہٹی کے نامور ادیب ڈاکٹر وی۔ وی۔ لگارے نے مشہور مرہٹی رسالے "منوہر" پونہ میں شائع کیا۔

ہندی رسالے "دھرم یگ بمبئی" میں بھی اکثر کلام شائع ہو چکا ہے۔ جیسا کہ میں نے اپنی پہلی کتاب "دشتِ تمنا" میں عرض کیا ہے کہ میرے تساہل کی وجہ کلام کی اشاعت میں تاخیر ہوئی ورنہ یہہ میرا تیسرا یا چوتھا مجموعہ ضرور ہوتا۔

زبیدہ تحسین

المرقوم ۱۹۸۴ء

مقام: ۵۵/۷-9-17- جہانِ آرزو
چھاؤنی نادعلی بیگ، حیدرآباد

حمد

لفظِ کن سے جس نے اس عالم کو پیدا کر دیا
ابنِ مریم کو اسی نے پھر مسیحا کر دیا
ذرّہ کو خورشید اور قطرہ کو دریا کر دیا
آپ کی چشمِ کرم نے ہم کو کیا کیا کر دیا
ابنِ آدم کی شفاعت اور بخشش کے لئے
احمدِ مرسل کو بخشش کا وسیلہ کر دیا
رحمتیں اپنے لئے ہیں زحمتیں اپنے لئے
صبرِ ایوبؑ نے عالم کو شناسا کر دیا
آپ ہیں پیغمبرِ حق رحمتِ حق کی نوید
روئے غازی میں منور اپنا جلوہ کر دیا
لذتِ نغمہ ہے کیا اور سوز کہتے ہیں کسے
ساز کے خاموش تاروں سے ہویدا کر دیا
حق نے جب بھی آزمایا دوستوں کو چن لیا
مصر کے بازار میں یوسفؑ کا سودا کر دیا
کاٹ کر رکھا گیا جب طشت میں یحییٰ کا سر
غیر یہ سمجھا کہ اس نے ہم کو رسوا کر دیا
آج ہو در پہ رسائی گر تو یہ سمجھوں گی میں
اس مری ہستی کو ہمدوشِ ثریا کر دیا

نعت

نگاہ شوق کی رفعت کا نقشہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ منزل ہم بھی دیکھیں گے وہ جادہ ہم دیکھیں گے

تری باتوں کا اے واعظ ہمیں کیوں اعتبار آئے
یہہ دنیا ہم بھی دیکھیں گے وہ عقبیٰ ہم بھی دیکھیں گے

جہاں میں اہرمن انساں کی بربادی کے درپئے ہے
خرد کو رہنمائی کا ہے دعویٰ ہم بھی دیکھیں گے

وہ دربارِ شہنشاہ جس پہ شیدا ہیں ملائک بھی
اگر بیمارِ احمدؐ میں وہ روضہ ہم بھی دیکھیں گے

تجھے طاعت پہ ہے مجھ کو شفاعت پر بھروسہ ہے
سرِ محشر یہی زاہد تماشہ ہم بھی دیکھیں گے

تجلی نورِ یزداں کی ہوئی ہے ختم موسیٰ پر
قیامت ہی قیامت ہے جو جلوہ ہم بھی دیکھیں گے

ہیں کتنے سر جو سودائے محمدؐ سر میں رکھتے ہیں
اجازت ہو مرے مولا وہ لطحا ہم بھی دیکھیں گے

اے غازی رحمتوں میں آپ کی پنہاں مشیت ہے
اسی روضہ کو ہمدوشِ ثریا ہم بھی دیکھیں گے

تجلی نور کی دیکھی گئی تھی طورِ سینا پر
مجسم شوق ہیں رحمت کا دریا ہم بھی دیکھیں گے

نعت

زمیں پہ غلغلہ ہے احمدِ مختار آتے ہیں
سب ہی آنکھیں بچھاتے ہیں مرے سرکار آتے ہیں
وہ آئے چاند کی صورت اُجالا ہے دنیا میں
فرشتوں نے صدا دی احمدِ مختار آئے ہیں
خدا کی رحمتوں میں آمنہ بی بی کے دامن میں
وہ اُمّت کے لئے بن کر سراپا پیار آتے ہیں
ہمارے ہادیٔ برحق زمانے کے لئے رہبر
وہ محبوبِ خدا نبیوں کے وہ سردار آتے ہیں
بلایا آسمانوں میں بٹھایا عرشِ اعلیٰ پر
خدا خوش ہے کہ ملنے کو شہِ ابرار آتے ہیں



نعت

اے نورِ مجسم کبھی باطل سے نہ گھبرا
ظلمت سے تجھے کفر کی ڈرنا نہیں آتا
مانند حباب آج تو ساحل سے بھی ٹکرا
گرداب سے کیا تجھ کو ابھرنا نہیں آتا
مذہب کا فدائی ہے تو قربان محمدؐ
اس بزم سے بے نام گزرنا نہیں آتا
کیا تو نے کیا کفر کی ظلمت نہ مٹائی
جس کام سے آیا ہے وہ کرنا نہیں آتا
کر پیروی تو احمدؐ مرسل کی سراسر
پھر دیکھ کہ کیوں تجھ کو ابھرنا نہیں آتا



منقبت

وہ لاجواب حقیقت ہو تم جواب نہیں
"مرے مذاقِ سخن کو سخن کی تاب نہیں"
تمام رمزِ حقیقت ہیں آپ میں پنہاں
کہے گا آپ کو کوئی کھلی کتاب نہیں
عبادتوں میں گزارو امانتوں میں رہو
یہ زندگی ہے سطحِ آب پر حباب نہیں
نہ رنگ و نور تھا اس زیست کے فسانے میں
یہ روشنی کا تسلسل یہ ماہتاب نہیں
زمانے دے گا کہاں تم سا ساقیٔ دوراں
سرورِ عجز ہے وہ عجز کہ جواب نہیں
حقیقتوں نے سنوارا ہے بزمِ ہستی کو
خیال و وہم نہیں یہ طلسمِ خواب نہیں
مزاجِ دہر کو جو لائیاں ہیں اے تحسینؔ
کہیں سرور نہیں اور کہیں شراب نہیں



منقبت

نہ جامِ جم سے نہ لعل و گہر سے ملتا ہے
مری دعا کا تسلسل اثر سے ملتا ہے

میں خاکِ پاک ہوں انساں ہوں فخرِ عالم ہوں
کہاں یہ فخر کسی کو گہر سے ملتا ہے

کسی کا درد کسی کی فغاں کسی کا جنوں
مرے ندیم تری چشمِ تر سے ملتا ہے

وہ تشنگانِ سفر زندگی نہیں پاتے
پتہ حیات کا ذوقِ سفر سے ملتا ہے

دردِ وحشی سے نہ شام و سحر سے ملتا ہے
یقیں کا نور تمہاری نظر سے ملتا ہے

نہ فرق رند و میکش ہو حضرت واعظ
کہ جذبِ صدق فریبِ نظر سے ملتا ہے

گلہ سب ہی کو ہے دشمن سے زہر ملتا ہے
مجھے تو درد مرے چارہ گر سے ملتا ہے

کلی کا درد گلوں کا فسوں نظر کا ثبات
ہمیں چمن میں کسی دیدہ ور سے ملتا ہے

کہاں ہے جرأت خاکہ کہ کچھ کروں توصیف
یہہ راستہ ہے جو تیر ب نگر سے ملتا ہے

وہ کیا چلے گا نہیں جس کو اعتماد عمل
نشان تیرا رہ بے خطر سے ملتا ہے

ضیائے چاند میں ہے شمس[1] کی کرن رقصاں
ثبوت روشنی ہم کو سحر سے ملتا ہے

یہہ میکدہ ہے یہاں کیف وکم نہیں ارزاں
مجھے تو کیف فریب نظر سے ملتا ہے

یہہ حال ماضی و فردا ہمارے ہیں تحسین
جو مل رہا ہے اسی سنگ در سے ملتا ہے

---

[1] حضرت سید شمس الدین غازی رح

منقبت

وہ فرطِ عقیدت کا عالم نہ پوچھو
سب ہی چل رہے ہیں سہارے سہارے

سحر کی لطافت گلوں کی نزاکت
زمیں پر نظارے فلک پر ستارے

کرم کی نظر ہو تو اے شاہ والا
زمیں کے یہ ذرّے بھی ہیں ماہ پارے

بھنور میں کھڑے ہیں نہ کشتی نہ ساحل
ڈبو کر نہ رکھ دیں کہیں تیز دھارے

وہ بجلی کی چشمک یہ مینا نشیمن
زمین و زماں میں ہیں باہم اشارے

اندھیرا ہے گہرا ہے ظلمت کے پردے
کہیں ساتھ دیں گے یہ مدھم ستارے

بجھا دو غمِ زندگی کے شرارے
بہت تپ چکے ہیں یہ ارماں ہمارے

سزاوارِ جرمِ محبت ہوئے ہیں
وہ ساحل تمہارا یہ طوفاں ہمارے

مزہ زندگی کا جو چاہو اے تحسین
نہ طوفاں کو چھوڑو نہ ڈھونڈو کنارے



منقبت

بہت نکلے غمِ ہستی میں سارے پیچ و خم نکلے
کوئی کس طرح اس میدان میں ثابت قدم نکلے

جنونِ عشق میں دیر و حرم کی سوجھتی بھی کیا
جہاں سر رکھ دیا ہم نے وہیں دیر و حرم نکلے

جنھیں چاہا جنھیں پوجا جنھیں ہم نے کیا سجدہ
نہ پوچھو بات کچھ ان کی وہ پتھر کے صنم نکلے

وہ جذبِ بے خودی اپنا روایت توڑ دینے کا
حدوں کو توڑ کر باہر نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

یہہ رمزِ عشق کیا جانے کوئی راہِ محبت میں
ستم ان کے کرم نکلے کرم ان کے ستم نکلے

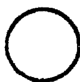
اجازت تو نہیں دیتی یہہ خود رائی دل اپنی
تقاضائے وفا یہہ ہے تری چوکھٹ پہ دم نکلے

شکست دل کے ہم بھی معترف ہو جائیں اے ساقی
اگر اس میکدے سے تیرے فرق و کیف و کم نکلے

مرا ٹوٹا ہوا ساغر مجھے بھر دیجئے خواجہ
بہت ہے مجھ کو یہ بھی گر مرے حصے کی کم نکلے

دلِ مضطر ترا ایمان ہے ان سے وفا کرنا
میری قسمت اگر تو یاں سزاوارِ الم نکلے

بصد حسرت انھیں بھی آج یہہ کہنا پڑا تحسین
کہ تیری بزم سے ہم بھی اے ظالم جسم ہم نکلے



فریبِ تخیل

تالاب کا کنارا گرما کی رات پیاری
شفاف آسماں پر وہ سرخ سرخ دھاری

وہ مست سی نگاہیں ہوں نیند سے جو بھاری
محو خرام کوئی اطراف کیاری کیاری

چھیڑا جو کوئی نغمہ پھولوں پہ غش تھا طاری
وہ گندمی سی رنگت سونا اگل رہی تھی

نظریں جھکی ہوئی تھیں خاموش چل رہی تھی
اک آرزو تھی جیسے دل میں مچل رہی تھی

یکلخت بیٹھ جانا گویا سنبھل رہی تھی
وہ گرم آہ جیسے لاوا اگل رہی تھی

سبزہ کی وہ روش پہ غم کی تھی اک کہانی
شاید وہ کہہ رہی تھی دنیا ہے غیر فانی

مایوس وہ نگاہیں انداز رازدانی
سبزہ پہ کر رہی تھیں شبنم کی گل فشانی

یاد آگئی کسی کی وہ رس بھری جوانی
پھر وہ حسین وعدے وہ یاد اک پرانی

گویا بکھر رہی تھی حسرت بھری کہانی
پھر اٹھ گئیں نگاہیں اندازِ کامرانی

بادِ صبا تو دامن شبنم سے دھو رہی تھی
پھولوں کی تازگی بھی شرمندہ ہو رہی تھی

کلیوں کو تھی جو حسرت سبزے کو بے کلی تھی
تاروں کی انجمن بھی مدھم سی ہو رہی تھی



نظم

ہر طرف جشن چراغاں ہے کہ عید آئی ہے
"وقت حالات کا خاموش تماشائی ہے"

کون جانے کہ یہ ہنگام مسرت کیا ہے
کون جانے کہ یہ اندازِ عبادت کیا ہے

کون جانے کہ یہ خاموش فغاں کیسی ہے
کون پوچھے کہ یہ بیدادِ جہاں کیسی ہے

کتنی آنکھوں کے دئیے جل کے بجھے جاتے ہیں
کتنے ارمان تہہ خاک دبے جاتے ہیں

صورتِ درد بھی زمزمہ آرائی ہے
آنسوؤں کی غمِ ہستی میں پذیرائی ہے

کس کی تصویر یہ آنکھوں میں اتر آئی ہے
جیسے ماضی کی ہر اک بات نکھر آئی ہے

جیسے طوفان میں لمحہ کو اماں مل جائے
جیسے خاموش ارادوں کو زباں مل جائے

وسعت چشم کرم کی جو پذیرائی ہے
کس کے الطاف کی یہ انجمن آرائی ہے

صورت موج ہستی رقص کا ارماں کیوں ہے
سر میں سودائے جنوں دل میں تمنا کیوں ہے

زلف ہستی ابھی ہر لمحہ پریشاں کیوں ہے
ابھی ماحول یہ غارت گر انساں کیوں ہے

وہی ہے مری حالات وہی تشنہ لبی
وہی اک بات بہ انداز دگر آئی ہے

صورت درد بھی زمزمہ آرائی ہے
آنسوؤں کی غم ہستی میں پذیرائی ہے

ایک شعر

کیوں حیات بزم ہستی ہے الجھتی خار سے
زندگی کیوں گلشنوں میں رقص فرماتی نہیں

کون؟

ہوئے ہوئے درد بن کر روح پر چھاتا ہے کون
پھر شراب شوق بن کر جام چھلکاتا ہے کون
کوئی سینہ کوئی پیکاں کوئی خنجر کوئی ڈھال
اپنے ظلم بے پناہ پر آپ شرماتا ہے کون
تیر تا تھا نقش دل میں عکس کا نقش دائمی
دل کی ان ویرانیوں میں نور برساتا ہے کون
اک تکلم اک تبسم ایک مستی اک شباب
ساز کے خاموش تاروں پر غزل گاتا ہے کون
اک تخیل اک تصور ایک دنیائے حسیں
شب کو سپنا بن کے آنکھوں میں اتر آتا ہے کون
کس نے سربستہ عزائم کو کیا ہے برہنہ
موج بن کر سینۂ ساحل سے ٹکراتا ہے کون
اک شراب آتشیں ہے اک سراب دلنشیں
اپنی ان مسدود راہوں پر چلا آتا ہے کون
امن کا پرچم ہے رقصاں زندگی کے موڑ پر
آسمانِ زندگی پر رقص فرماتا ہے کون
کس نے چھیڑا ساز دل کو مستیوں میں ڈوب کر
فطرتِ انسانیت کا راز سمجھاتا ہے کون



عید الفطر

کسی معصوم محبت کا تو بچپن ہے کہیں
کوئی جھومر کوئی آنچل کوئی کنگن ہے کہیں
عید خاموش تمناؤں کا مدفن ہے کہیں

عہد ماضی کے دبے پاؤں کی جھانجھن تو نہیں
عید بے ربط خیالات کی انجمن تو نہیں
عید بے کیفیت حالات کی دھڑکن تو نہیں

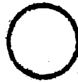
دلِ مضطر کا یہ دن رات الجھن کیا ہے
کیسی دیوار ہے بیگانہ دایتا کیا ہے
کہیں بربادی کہیں جشن کا ساماں کیا ہے
زیست کہتے ہیں کسے موت کا عنواں کیا ہے

کہیں بجھتا ہوا دیپک کہیں جلتی ہوئی آگ
ہر دو نمناک مگر سینوں میں اک آگ ہی آگ
گندی گلیوں میں بھٹکتی ہوئی آوارہ روح
کہیں سینوں میں اُبلتا ہوا لاوہ کہیں آگ

گندی گلیوں میں بھٹکتے ہوئے آوارہ تن
عید کیا چیز ہے ان کو تو ہے روٹی کی لگن
صبح دم کھلتے ہوئے آگ سے گلزاروں میں
کہیں روندے ہوئے پھولوں میں کہیں خاروں میں
تم نے دیکھا ہے کتنے خس و خاشاک بھی ہیں
ٹوٹے آنسو کی طرح سرد و نمناک بھی ہیں

کتنے بے باک ارادوں میں زہر گھلتا ہے
کتنے بے باک عزائم سے دھواں اٹھتا ہے
سینکڑوں وولے یہ اہل الم رکھتے ہیں
خود تو مٹتے ہیں تمنا کا بھرم رکھتے ہیں
آنکھ شعلہ ہے تو دل خاک ہوا جاتا ہے
درد کچھ اور بھی بے باک ہوا جاتا ہے
میں نے سوچا تھا کہ کچھ دور کنارے ہونگے
تیرے دامن مرے آنچل میں ستارے ہونگے

دیپ پلکوں پہ جلاتی ہوں سحر کی خاطر
چشم تحسین سے کہاں سیل رواں ہے دوست



"غزلوں کی رات کا ایک تاثر"

محترم صدر[1] تھیں اسٹیج پہ خنداں خنداں
شب کی پاکیزگی میں کوئی دعا ہو جیسے

رونقِ بزم تھیں مہمانِ خصوصی بلقیس[2]
بزمِ رو گلشنِ اردو میں صبا ہو جیسے

مائیکروفون پہ زینت[3] تھیں مخاطب ایسے
ہر طرف مہر و محبت کی صدا ہو جیسے

---

[1] مسز ظہیر الدین احمد سابق سفیر [2] مسز بلقیس علاء الدین
[3] زینت ساجدہ صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی
بموقعِ رسمِ اجراء "دستِ تمنا"

کتنے پامال سے جذبوں کو جلایا تم نے[1]
کیسی تصویر بنائی مرے بہلانے کو

یوں لگا دشت تمنا[2] میں مجھے پھول ملے
زندگی دور تک آئی مجھے سمجھانے کو

ٹوٹ کر تم نے گلے سے جو لگایا مجھکو
کتنے طوفان تھے بپا قلب میں امڈ آنے کو

خدمت شعر و ادب دیکھ کے حیران حیران
گردش وقت تھی اک بار ٹھہر جانے کو

منزلت نام میں بھی اور غزل میں بھی ہے
کون موزوں تھا یہاں ایسا لقب پانے کو

ـــــہ[1] ۔ محترمہ عظمت عبدالقیوم صاحبہ
ـــــہ[2] ۔ پہلا مجموعہ کلام زبیدہ تحسین

اپنی تخلیق کے اعجاز کو پانے کے لئے
کتنے آذر تھے چلے آئے صنم خانے کو

افق جشن پہ تھیں چاند کی صورت روڈا[1]
چاند بے تاب سا تھا شرم سے جھک جانے کو

طاہرہ[2] پھول کے مانند کھلی جاتی تھیں
اپنے اخلاص سے ہر ایک کے اپنانے کو

عائشہ[3] پھول کی کا جوبن تھیں چمن میں جیسے
پرچم اردو کو پھر نام پہ لہرانے کو

آپا سلطانہ[4] نے مائک پہ جگایا جادو
ہم تھے آواز کی شیرینی میں گھل جانے کو

۱؎ مسز روڈا استری صدر محفل خواتین ۲؎ محترمہ بانو طاہرہ سعید صاحبہ
۳؎ محترمہ عائشہ رشاد ۴؎ محترمہ سلطانہ صاحبہ حبش شرف الدین

خدمتِ اردو میں نیئر[1] تجھے خلوص بہم
محفلِ شعر و ادب دونوں کے چمکانے کو

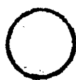
ساز تجھے سوز بھی بخشا ذرد کے افسانے تجھے
کتنے احساس چلے آئے تجھے بہکانے کو

یوں بھڑک اٹھے تجھے زخموں کے سلگتے شعلے
چھیڑ کر چھوڑ دیں جیسے کسی دیوانے کو

ہاتھ میں "دشتِ تمنا کو سمجھائے تحسین[2]
مضطرب اپنے ہی جلوؤں میں سمٹ جانے کو

---

[1] جناب صلاح الدین نیّر
[2] زبیدہ تحسین



آندھرا پردیش

اب قفس کے جال ٹوٹے اور سنہری دام اٹھا
جیسے اشیاء کا بدیشی ملک سے نیلام اٹھا
جو فراست جو سیاست ملک کا حصہ نہی
بات وہ عہد غلامی کی فقط قصہ نہی
پنج سالہ منصوبے کی تیسری بنیاد ہے
ہر بشر ہندوستاں کا شاد ہے آباد ہے
بج رہا پھر زندگی کا ساز لے آواز ہے
اختتام درد ہے خوشیوں کا پھر آغاز ہے
زندگی فریاد رس کل تک کسی زنداں میں تھی
زہر غم کی چاشنی کل تک ہر اک عنواں میں تھی
ہر زمانے میں رہا ہندوستاں جنت نشاں
چند دن چھائی رہی تھیں اس پہ کالی بدلیاں

ہر طرح سے اب ہمارا ملک پھر آزاد ہے
ملک کیا آزاد ہے کہ ہر بشر آزاد ہے
اب ترقی کا یہاں کی اور ہی انداز ہے
اپنے جینے کا صحیح معنوں میں اب آغاز ہے
ہے عبارت تشنگی جس سے ہے دور آخری
دور جمہوری کے آگے مٹ رہی ہے آمری
پھر وہی انگشتِ صناع پھر وہی کاریگری
پھر ملی ہے ملک میں صنعت کو اپنی برتری
کتنے ارمانوں کو جیسے مل گیا رقصِ جمیل
کتنے انسانوں کو جیسے مل گئی راہ سبیل
لٹ گئے وہ خم کہ جس میں زہر تھی پابندگی
یہ حیات نو بنی ہے آخرش اب بندگی
پھر فروغ صنعت ہندوستان ہے اوج پہ
پھر سفینہ چھا گیا ہے بحر کی ہر موج پہ
ظلمتوں میں ٹھوکریں کھانے کے دن باقی نہیں
اک حکایت رہ گئی رنج و محن باقی نہیں
اب ترقی ملک کی تعمیر کی آواز ہے
یہ مٹتے جاؤ وقت کی تعمیر کی آواز ہے
ہیں غریب و مفلس و نادار کے جینے کے دن

زندگی کی ناؤ ساحل کی طرف کھینے کے دن
بے گھروں کو گھر میں ملے کتنے ہی رہنے کے لئے
مل گیا ان کو سہارا جگ میں جینے کے لئے
سیکڑوں بندھن گئے اسکول کتنے کھل گئے
اک کہانی بن کے جیسے زخم سارے دھل گئے
سیکڑوں ایکڑ زمیں سیراب کر سکتے ہیں ہم
اپنی پیاسی زندگی پر آب کر سکتے ہیں ہم
کتنی ریلوں کا پلوں کا اب بجٹ منظور ہے
زندگانی کا مقدر آج پھر مزدور ہے
جب اجالوں کی سیاست میں اندھیرے گھل گئے
جہل کی اس تیرگی میں تار برقی جل گئے
رشک ہو دنیا کو ایسے کام کر جائیں گے ہم
زندگانی کو نئے اک موڑ پر لائیں گے ہم
صحبت اغیار میں رہنے کے دن جاتے رہے
ظلم ہنس ہنس کر سہی سہنے کے دن جاتے رہے
ناؤ کو جمہوریت کی جب یہی کھے پائیں گے ہم
کشتئ عمر رواں ساحل پہ لے آئیں گے ہم
ہندیوں کے عزم ہیں کوہ ہمالہ سے بلند
ڈال اب سکتے ہیں جیسے ہم ستاروں پر کمند

ہر خوشی پنہاں ہے جیسے ملک کی ہر چیز میں
ہم نے باندھا عزم کو ہے وقت کی زنجیر میں
دل کے جلنے کی روایت آج ہے رسم کہن
کہکشاں سے ہم سجائیں گے ہماری انجمن
اب ارادوں میں تنزل اپنے آ سکتا نہیں
درس ایسا دے گئے ہیں ~~لیڈران~~ رہبراں ہم وطن

دو شعر

جہاد زندگانی میں جو تھیں مردوں کی شمشیریں
یہاں زلفیں ہماری بن گئی ہیں ان کی زنجیریں
وہ اک مجنوں تھا جس نے جان دی لیلیٰ کی فرقت میں
یہاں وہ مجنوں ہیں رکھتے ہیں ہزاروں دل میں تصویریں

خط کا جواب

تم فکر مت کرو کہ یہہ دن فکر کے نہیں
بے جا خیال و وسوسے و ذکر کے نہیں
اوروں کی فکر کر سکے نہ یوں وقت گزار لو
مستقبل حیات کو اپنی سنوار لو
مانا کہ ہم میں چاند کی تابندگی نہیں
مانا کہ آفتاب کی وہ روشنی نہیں
پھر بھی یہہ ہم سمجھتے ہیں لعل و گہر ہیں ہم
جس کی نہیں ہے شام کوئی وہ سحر ہیں ہم
مفلوج ذہن ہو نہ تمہارا نہ پست ہوں
قائل کبھی نہ پستی اہل شکست ہوں
کیوں پستی خیال کو دل میں جگہ بھی دو
مٹنے کا جو مقام ہے کیوں اس جگہ پہ رو
عزم جواں کرے کے جو آگے بڑھو گے تم
طوفان کی قسم ہے نہ پیچھے ہٹو گے تم
میری دعائیں ساتھ ہیں پھولو پھلو کھلو
تم وجہہ زندگانی ہو تم زندگی کو لو

یہہ زندگی تو میری کوئی زندگی نہیں
تم سب کی یہہ خوشی ہے تو میری خوشی نہیں
اکثر ہیں جن کو خود نہیں احساس زندگی
میں بھی نہیں کہوں گی کہ یہ زندگی نہیں
فطرت مری نہیں ہے نہیں ہے یہہ میری چال
احسان اس کا ہے کہ بنایا ہے ذو الجلال
پست و بلند شور و شر کا خیال کیا
جینے کی آرزو ہے تو جینا محال کیا
میں ہنس رہی ہوں زندگی گر اشک بار ہے
اُس کو نہیں تو مجھ کو ابھی اس سے پیار ہے
زاہد کی زندگی ہے نہ واعظ کا پند ہے
انساں ہوں فضائل انساں پسند ہے
لے جان زندگانی سے کرتی نہیں پرہیز
جائز اصول سے مجھے ہرگز نہیں گریز
اب کیا کہوں کہ فکر نہ تم اس کی کچھ کرو
یوں فالتو خیالوں کو دل میں جگہ نہ دو
کیوں وسوسے یہہ آپ کے دل میں فضول ہیں
باتیں یہہ بچپنے کی ہیں یہہ ساری بھول ہیں

اپنا مزاج گرچہ بہت تند و تیز ہے
میں یہہ نہیں سمجھتی کہ یہہ رستخیز ہے
گذری بہت ہے تھوڑی سی ہنس کر گذار لوں
گر یہہ نہیں تو میں اسے رو کر گذار دوں
ہنگامہ کس کو کہتے ہیں اے طفلِ خوشخصال
ہنگامہ زندگی ہے تو ہر موڑ اک وبال
ہر موڑ زندگی کا ہے پارینۂ خیال
کہتے ہیں زندگی جسے ہے زندگی محال
شاکر ہوں اپنے حال پہ خود کو کروں نہ معاف
اتنا ضرور کہتی ہوں میں تم سے صاف صاف

اپنے بچے اکبر حفیظ کے لئے

ایک شعر

یہہ ہے وہ پھول اے تحسین نہ کملائے نہ مرجھائے
رہے گا یہہ سدا یوں ہی بہار آئے خزاں آئے



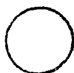
گمشدہ انگوٹھی کے دوبارہ ملنے پر!

کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری
تجھکو کھو کر بڑھ گئی تھیں اور توقیریں تری
منعکس سی ہو گئی تھیں دل میں تنویریں تری
بندگی وہ ہے کہ سجدوں کی ضرورت ہی نہ ہو
زندگی وہ ہے جو مرہونِ مسرت ہی نہ ہو
کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری
تو مری روٹھی تمنا کا درخشاں خواب ہے
داستانِ زندگی کا جیسے میرے باب ہے
تجھ میں مضمر میرے نغمے گیت ہیں شہکار ہیں
زیبِ قرطاس و قلم روٹھے ہوئے افکار ہیں

کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری
ڈر رہی ہوں اس مسرت کی نئی تمہید سے
خوف ہے پھر آج کی اس باہمی تجدید سے
عارضی میری خوشی یہ رنج دیرینہ نہ ہو
آج کی تجدید پھر اک عہد پارینہ نہ ہو
کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری
رشتۂ انس و محبت کو بڑھا کر اور بھی
پیار اور اخلاص کے انداز دکھا کر اور بھی
چھوٹنے پر مجھ سے تو مجبور ہو جائے کہیں
ڈھونڈیں پاؤں نہ تجھ کو جو کھو جائے کہیں
کتنی یادیں تجھ سے وابستہ ہیں انگوٹھی مری

ایک شعر

آہ کیا نالوں میں بھی احساس پستی آ گیا
آہ کیوں مظلوم کی سوئے فلک جاتی نہیں



نظم

وقت بھی ٹھنڈا موسم ٹھنڈا دل کی بہاریں تازہ تازہ
آنکھوں کے چھلکتے پیمانوں میں مستی کا ہو جیسے غازہ
وہ شرم و حیا کی تصویریں وہ صدق و صفا کی تنویریں
کچھ برق بنیں کچھ طور بنیں مجبور بنیں مہجور بنیں
سوغاتیں ملی ہیں کیا کیا کچھ اس جذبۂ دل کو کیا کہئے
محصور تھے جلوے آنکھوں میں آنکھوں کے مقابل کیا کہئے
اک پردۂ سیمیں پر جیسے اک وحشتِ سادہ کا عالم
اوراقِ پریشاں پر جیسے اک تلخیٔ سادہ کا عالم
گفتار میں پنہاں معنی سی رفتار میں پنہاں لغزش سی
اک چوٹ میں تازہ درد ہو جیسے اور ہلکی سی ہو سوزش بھی
معصوم فضائیں بڑھ بڑھ کر مسکاتی رہی تھیں خوشیوں کو
الھڑ سی ہوائیں چل چل کر بکھراتی رہی تھیں زلفوں کو
بے تاب نظر کے پروانے بے تاب سفر کے دیوانے
ساقی کی نظر کے صدقے میں کتنے ہی بنے ہیں افسانے



"مکتوبِ گذشتہ پہ پڑی میری نظر آج"

مکتوبِ گذشتہ پہ پڑی میری نظر آج
ساحل کا سکوں ہوگیا پھر زیر و زبر آج

کچھ نامہ و پیغام کی بے ربطی کے شکوے
کچھ یاس و امید کے سہمے ہوئے لمحے

لفظوں کی حلاوت تری وہ لطف بھرا ہے
ہر چوٹ کو ہر زخم کو دل ڈھونڈ رہا ہے

ٹپکے ہیں مری آنکھ سے بے ساختہ آنسو
تخئیل کی پرواز کا عالم ہے کہ ہے تو

سیماب ہے اک موج ہے اندازِ تخیل
نشتر کا اثر رکھتا ہے اذکارِ تغزل

یادرج ایام کے دھندلائے سے نقشے
ہیں آج بھی وابستہ وہ ٹوٹے ہوئے رشتے

پرکیف وحسیں عہد گذشتہ کے سہارے
پھر بن گئے میرے لئے طوفان کے دھارے

اے جانِ تمنا ترے افکار پریشاں
رکھتے ہیں مرے واسطے اندازِ بہاراں

اے خامہ تری نوک زباں چوم نہ لوں کیوں
اس جہرو صداقت پہ تری جھوم نہ لوں کیوں

ظلمت کی سیاہی میں سحر دیکھ رہی ہوں
دلدوز تمنا کا اثر دیکھ رہی ہوں

تعمیر میں تخریب ہے تخریب میں تعمیر!
اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں خواب کی تعبیر

ہنستے بھی ہیں ہم دیدۂ پرنم کے سہارے
خوشیوں کو بھی ہم ڈھونڈتے ہیں غم کے سہارے

ہر موڑ پہ ہم ڈوب کے نکلے ہیں کنارے
ساحل پہ پہنچ جاتے ہیں موجوں کے سہارے

مایوس نگاہوں کو ستاروں میں بدل دیں
گلشن کی خزاؤں کو بہاروں میں بدل دیں

آکاش کو تو رات زمیں چوم ہی لیں گے
اس گردش پیہم پہ کبھی گھوم ہی لیں گے

یہ چرخ کے مہ پارے یہ مغرور تارے
دیکھیں گے کبھی دھرتی پہ پر کیف نظارے

ایک شعر

آج راہ ارتقاء میں ہے ضوابط اک چٹان
چاہتی ہوں کچھ بڑھوں آگے کہ ٹکراتی ہوں میں



موضوعاتی نظم

تو ہے اپنے لئے اک پھول کے زر کی صورت
دور سے دیکھتے ہیں ہم گلِ تر کی صورت

پاس جن کے تجھے ہونا تھا نہیں ہے ان کے
اجنبی لگتی ہے تجھ کو ترے گھر کی صورت

کسی آئینۂ کسی جمتا کو نتا ہے تو نے
جانتی ہے تو فقط اپنے پدار کی صورت

یوں تو سب چاہتے ہیں زیور و زر کی صورت
پھر بھی لگتی ہے وہ اک خاک بسر کی صورت

چاندنی راتوں میں کچھ کوڑھ کے دھبے ہیں ابھی
دل کے اندھیاروں کو کردے تو سحر کی صورت

درد بن کر نہ ٹپک اشک مسلسل کی طرح
بندرہ تو میری آنکھوں میں گہر کی صورت

تجھ کو الفت نہ سہی پاس مروت نہ سہی
ہم تجھے دیکھیں گے تسکین نظر کی صورت

لوگ خوش ہیں کہ زمانہ تو ہنوز آن کا ہے
ہم تکا کرتے ہیں دیوار کی دد کی صورت

ایک شعر

توڑ پھینکوں بندشوں کو کس طرح ماحول کی
اکثریت کو یہاں الجھا ہوا پاتی ہوں میں



نظم

مرے معصوم ارمانوں کے دریا میں تلاطم ہے
مرے تخییل کی پرواز کا کس سے تصادم ہے
خرد ہے ہم سے بیگانہ جنوں سے ہے شناسائی
ادھر بے تابیاں دل کی ادھر غم میں شکیبائی
ادھر ہے صحن گلشن میں بہاروں کو پشیمانی
ادھر زخموں کی حدت نے جو کی ہے زلزلہ سامانی
تری خود بینیوں نے لذت درد جگر بخشا
صداقت دی نگاہوں کو دعاؤں کو اثر بخشا
گداز لذت دل بھی تری دلداریوں سے ہے
کہ تو نے چشم پرنم کو متاع بحر و بر بخشا!
مٹا دیتی ہیں جب آہیں غموں کے نقش باطل کو
مری بھٹکی ہوئی نظریں بھی پا لیتی ہیں ساحل کو

سونی سونی رہگذر ہے زندگی

معاف تم کردو تو بخشش ہے مری
ورنہ محشر میں بھی ہوں بے خانماں

جانتی تھی شعبدہ ہے زندگی
پھر بھی تھا غلطیٔ نفسی پہ گماں

کاش آجاؤ تو چلنے بھی نہ دوں
بڑھ کے پلکوں پہ اٹھاؤں ہر نشاں

آگ اک سینے میں ہے دہکی ہوئی
سانس لیتی ہوں تو اٹھتا ہے دھواں

آتے جاتے روز و شب کے درمیاں
زندگی لیتی رہے گی ہچکیاں

اک خموشی اک جمود بے کراں
ہوگا میرا حاصلِ عمرِ رواں

چھٹ رہا ہے میرا شہرِ آرزو
میرا قبلہ میرا کعبہ ہے یہاں

زندگی بارِ گراں کہلائے گی
کیسے کیسے موڑ آئیں گے یہاں

اس چمن کی بات کوئی بات ہے
جس چمن کا ہو نہ کوئی باغباں

دن کے سایوں سے بھی گھبراتی ہوں میں
کاٹتی ہیں رات کی پرچھائیاں

رونقِ محفل تمہارے دم سے تھی
ڈس رہی ہیں منجمد تنہائیاں

اک تصور ایک دیرینہ خیال
دور تک بجنے لگیں شہنائیاں

جوشِ گریہ جوش پہ آیا ہوا
زخمِ دل لینے لگے انگڑائیاں

جستجو و مہر خوشی کی آرزو
بن رہیں میرا مقدر تلخیاں

زخمِ دل بن جائے گا دردِ نہاں
بے زبانی ہوگی میری داستاں

سونی سونی رہگذر ہے زندگی — عندلیبانِ چمن ہیں بے خانماں!
لٹ گیا ہے آج میرا بوستاں — ہو چکا ہے اب یہ پامالِ خزاں
اے صنم ایمان فردوسی کی قسم — تم ہی ایماں تم ہی تھے جانِ جہاں
میری دنیا کا مکیں کوئی نہیں — کیسے سمجھاؤں تمہیں اے مہرباں
سجدہ گاہ ہے ناز ہے چوکھٹ تری — ڈھونڈتی ہوں اب میں قدموں کے نشاں
تمہاری نازک مزاجی پہ بھی لاف — کس لئے تنہا گئے وہ مہرباں
تم تو میرے گوہر نایاب تھے — زندگی کتنی رہی ارزاں یہاں
بخش دو میرے مجازی وہ خدا — التجا ہے اب یہ تم سے مہرباں
حسرت دیدار کو آنکھیں مری — عمر بھر میں اشک بار و خوں فشاں
قہقہے و زمزمے باقی نہیں — دوسروں کی ہے ہنسی بارگراں
وہ صدائے شبنمی باقی نہیں — ہر قدم ہے اب زمیں شعلہ فشاں
میرے مونس میرے ہمدم تم ہی تھے — اب سنانے جاؤں کس کو داستاں
ڈھونڈتی ہیں تم کو آنکھیں کو بہ کو — کتنی بے بس ہوں خرابات جہاں
تم مکمل تھے سکون دو جہاں — اب نظر میں منتشر ہے کل جہاں
کل تو ابرو کی شکن بھی بار تھی — اب ہو تم ہی میری غفلت کا نشاں
دو قدم آگے بڑھا جاتا نہیں — تم کہاں ہو میرے میر کارواں

بے رفیق و بیگانۂ منزل ہوں میں — جانے کتنی الجھنیں ہوں گی جواں
سو گئی ساری خدائی ایک میں — جاگتی ہوں صورتِ خوابِ گراں
بے قرار و بے سکون و مضطرب — یہ مری سعیٔ طلب ہے رائیگاں



لائی پیام عید کا باد بہار ہے
پھر آج تحسین رحمتِ پروردگار ہے
گر پاس پائیں ہوں تو گلے مل کے خوش رہیں
گر دور ہوں تو حسرتِ دیدارِ یار ہے



عید

دامن کی دھجیوں کی گریباں کی عید ہے
کل گبر کی تھی آج مسلماں کی عید ہے
کعبے میں شیخ دیر میں ہے برہمن کی عید
شورِ غمِ حیات میں انساں کی عید ہے

آنکھوں میں ان کے خوابِ پریشاں کی عید ہے
لب پر خموش آہِ غریباں کی عید ہے
اس عید کے نثار ہے آخر ہے کس کی عید
گھر میں خزاں ہے اور گلستاں کی عید ہے

سجدے ہیں پائمال جبینِ نیاز میں!
زخمِ حیات کاکلِ پیچاں کی عید ہے
دیکھو حریمِ نازِ زلیخا کی عید ہے
بازارِ مصر میں مہِ کنعاں کی عید ہے

غزلیات



تنہا ہوں بہت ساتھ نبھانے کے لیئے آ
اک درد ہوں سینے سے لگانے کے لیے آ
عنوان نیا بن کے فسانے کے لیے آ
احسان کوئی کر کے جتانے کے لیے آ
کھونے کے لئے آ کبھی پانے کے لیے آ
دانستہ مرے دل کو دکھانے کے لیے آ
مجھکو نہ جلا دیں غم ہستی کے شرارے
جو آگ لگی ہے وہ بجھانے کے لیے آ
سوتے رہے اک عمر امیدوں کے سہارے
آنکھوں سے مری نیند اڑانے کے لیے آ
چھوٹی ہوئی منزل کے مسافر ہی سہی ہم
ٹوٹی ہوئی راہوں کو ملانے کے لیے آ
کچھ کم نہیں یہ بھی ترے اشکوں کی عنایت
زہراب سہی مجھکو پلانے کے لیے آ
تحسین کریں پھر سے یہاں جشن چراغاں
تو میرے شب و روز پہ چھانے کے لئے آ



آوارہ بہاروں کو منزل کا پتہ دے دو
جو درد سے بھر آئے اس دل کو صدا دے دو
ہم دور سہی لیکن مجبور سہی لیکن
آئیں گے مگر ملنے ایک بار صدا دے دو
شوریدہ فضاؤں میں انجان سی راہوں میں
جلتے ہوئے زخموں کو دامن کی ہوا دے دو
رخسار کی سرخی کو ہونٹوں کے تبسم کو
دشوار سہی لیکن تم رنگِ حیا دے دو
کعبہ ہے کلیسا ہے ٹوٹے نہ کسی کا دل
اندازِ محبت کے کچھ بہر خدا دے دو
دل گرد کدورت سے دھندلا بھی اگر جائے
پھر مہر و محبت سے تھوڑی سی جلا دے دو
موسم ہے بہاروں کا غنچوں کے چٹکنے کا
کھلتی ہوئی کلیوں کو پیغام صبا دے دو
سرکار مدینہ ہو طوفاں میں سفینہ ہو
بے تاب جبینوں کو نقشِ کفِ پا دے دو
مشکل ہی سے ٹوٹیں گے جو پیار کے رشتے ہیں
سو بار اگر ٹوٹیں تجدید وفا دے دو



دل خستگی سے آج بھی بے حد اُداس ہے
آنکھوں میں دیکھئے تو سمندر کی پیاس ہے
افسردہ اس لئے ہوں کہ دنیا کی ہے خوشی
امید ہے کوئی نہ کہیں کوئی آس ہے
حال تباہ ان سے نہ کہنے کی بات ہے
ان کی نظر سناہے قیافہ شناس ہے
وہ ان کا ظرف ہے یہ مرے ظرف کی ہے بات
وہ ہیں ستم تراش مجھے ان کا پاس ہے
دنیا نے کیا دیا ہے مجھے اس کا غم نہیں
شکوہ بتوں سے مجھ کو ہے نہ التماس ہے
حال تباہ تحسین نہ کہنے کی بات ہے
ان کی نظر سنا ہے قیافہ شناس ہے

ایک شعر

ڈبوئی زیست کی کشتی کرم نے ناخداؤں کے
وفا کی پائمالی شوق کی تحقیر بھی دیکھی



غم بھول جاؤں درد کی ہر ایک بات کا
مل جائے مجھ کو ایک تبسم حیات کا

یہ دھوپ چھاؤں زیست کی یہ گردشِ حیات
ہم خوش ہوئے تو درد ملا کائنات کا

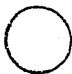
کس نے وفا کی کس نے جفا وقت کی ہے بات
اب کیا حساب رکھیں یہاں بات بات کا

یہ صبح لازوال سی یہ شام دلنشیں
نقشہ حسین ہے زندگیٔ بے ثبات کا

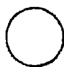
ہم بھی نہ خوش ہوئے ہیں کبھی تجھ سے چھوٹ کر
آتا ہے یاد دور ترے التفات کا

ہم تم ہوئے جو ساتھ زمانے کو ہے گلہ
یوں کچھ طویل ہو گیا قصہ حیات کا

تم بھول جاؤ گر تو قیامت نہ آئے گی
چرچا ضرور ہوگا ذرا واقعات کا



"تیرے بغیر زندگی درد ہے زندگی نہیں"
میری سیاہ رات میں کوئی بھی روشنی نہیں
تم جو ملو تو لوٹ کر آئیں گے دن بہار کے
میری ہنسی ہنسی نہیں میری خوشی خوشی نہیں
کافی ہے عمر بھر مجھے تیری نگاہِ التفات
جیتی رہوں جو عمر بھر پھر بھی وہ بے خودی نہیں
میرے چمن کا بانکپن شائستہ بہار ہے
سرو سمن کی زندگی یہ کوئی دل لگی نہیں
ان کے کرم کے ذکر نے درد مرا بڑھا دیا
دی تو تھیں کچھ تسلیاں درد میں کچھ کمی نہیں
جن کی تھی آرزو تو یہ تھا زعم وہ زعم اب نہیں
دل میں سکوت سا ہے اب آنکھوں میں اب نمی نہیں
لطف تمام ہیں بہم دل کو مگر ہے اضطراب
پھولوں میں تازگی نہیں کلیوں میں نغمگی نہیں



لو دھوپ ڈھلی دن کی لو شام چلی آئی
لو گھٹنے لگے سائے بڑھنے لگی تنہائی

ہر وقت زمانے سے بیداد نئی پائی
اک چوٹ کے لگتے ہی ہر چوٹ ابھر آئی

پھر ان سے ملے ہیں ہم پھر یاد کوئی آئی
لی درد نے پھر کروٹ چلنے لگی پروائی

اپنوں ہی نے چھینا ہے تسکین کا ہر پہلو
پھر درد کے ماروں کی ہونے لگی رسوائی

یہ میرا دل پرخوں یہ ضبط کا خوگر ہے
یہ جب بھی مچلتا ہے ملتی ہے شکیبائی

ہنس ہنس کے یہ روتا ہے رو رو کے یہ ہنستا ہے
کیا بات ہے اس دل کی سودائی ہے سودائی

گلشن میں بہاروں سے جب ہم نے نہیں پایا
ٹوٹے ہوئے ڈالی کے کچھ پھول صبا لائی

تم عشق مجسم ہو ہم حسن مکمل ہیں
ہم ایک تماشا ہیں دنیا ہے تماشائی

کس کس کی دہائی دی کس کس سے شفا مانگی
اب چھوڑو بھی اے تحسین کی کس نے مسیحائی



ذہن بے دار ہے دل شاد تمنا مسرور
کس کے دامن کی ہے نکہت کہ صبا لائی ہے
گل بداماں ہیں ضیا تاب نظارے شب کے
آئینہ ساز ہے آئینہ ہے یکتائی ہے
کیا وہ انداز قیامت پہ قیامت ہوں گے
جن کے انداز میں انداز شکیبائی ہے
جانے کس دل سے یہ آواز مجھے بھی آئی
زندگی خاک بسر ہے کہ بہار آئی ہے
وحشتیں کہہ کے الجھتی ہیں گریبانوں سے
خود تماشا ہے تو اور تماشائی ہے
تحسین ہنگام تمنا بھی سکوں پرور ہے
کتنے ہنگاموں سے پوشیدہ بہار آئی ہے



مرے اشک تپاں گر جائیں گر دریا کے سینے پہ
صدف سوزد گہر سوزد جو بحر بے کراں سوزد

زمیں سوزد زماں سوزد نہاں سوزد عیاں سوزد
اگر گویم زباں سوزد نہ گویم استخواں سوزد

اگر آہ تپاں ساقی مرے ہونٹوں پہ آ جائے
وہ جام آتشیں سوزد وہ رند میکشاں سوزد

خرد سوزد جنوں سوزد ہمہ ایں داستاں سوزد
خیال عاشقاں سوزد جمال مہ وشاں سوزد

در ایں محفل دل خورشید تحسین شمع ساں سوزد
دل ما سوختہ سوزد جو جاں ناتواں سوزد



اندھیروں سے اُجالے جگمگائے
بہت رو رو کے ہم بھی مسکرائے

چراغ زندگی تک کانپ جائے
کوئی اتنا بھی نہ دل کو دکھائے

خطائیں بھی تو جزوِ زندگی ہیں
کہاں تک کوئی دامن کو بچائے

تلاشِ سر خوشی میں ہم چلے تھے
گھنیرے ہو گئے ہیں غم کے سائے

نبھایا تم نے یوں عہدِ وفا کو
کبھی دوری کبھی تم پاس آئے

کوئی گلشن کوئی بستی کہ صحرا
نظارے کب ہمیں یہہ راس آئے

زمانے کی نگاہوں سے بچا کر
تمہارے درد کی سوغات لائے

تصور نے کہاں پہنچا دیا ہے
ہزاروں روپ میں تم یاد آئے

خطا یہہ ہے کہ ناکردہ گنا ہ ہیں
پشیماں جی رہے ہیں سر جھکائے

بہار آئی فضا مہکی کھلے گل
مجھے اے دوست تم بھی یاد آئے

سلامت دشت پیمائی اے تحسین
کوئی ہنس ہنس کہ پھر تم کو بلائے



آپ روٹھے رہے آشفتہ مزاجوں کی طرح
کتنے حق ہم نے چکائے ہیں حسابوں کی طرح

اب نہ وہ دن ہیں نہ راتیں نہ وہ تفریح طبع
زندگی لگتی ہے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی طرح

کوئی تفریق نہیں ہوتی ہے گلشن میں کبھی
ہم نے کانٹوں کو بھی چاہا ہے گلابوں کی طرح

اس طرح اجڑے ہیں آباد خرابے میں ہم
ہے گماں خود پہ کہ ہیں خانہ خرابوں کی طرح

زندگی بھول سہی فتنۂ دوراں کی قسم
سطحِ زیست پہ ٹوٹے ہیں حبابوں کی طرح

ہم تصور کے تراشے ہوئے پیکر ہیں وہی
حسن کو ہر رنگ میں دیکھا ہے سرابوں کی طرح

اسے دیکھا اسے سمجھا اسے پڑھا تاحسینؔ
زندگی پھر بھی رہی بند کتابوں کی طرح



روئے ہیں ہم بھی دیدۂ یعقوبؑ کی طرح
صابر رہے ہیں حضرت ایوبؑ کی طرح

دامن دریدہ حضرت یوسفؑ سے ہم رہے
اٹھی اگر نگاہ تو محبوب کی طرح

وہ ایک شخص چھٹ کے بھی جو ساتھ ساتھ ہے
پڑھتا رہا ہے چہرے کو مکتوب کی طرح

کیا آپ حشر میں بھی رہیں گے حساب داں
ہم سے ملا نہ کیجئے محسوب کی طرح

دنیا نے سر اٹھانے کے قابل ہی کب رکھا
سر کو جھکا دیا کسی معتوب کی طرح

دنیا کے ناز اٹھانے کو کیا ہم ہی رہ گئے
ملتا ہے ہم سے ہر کوئی مطلوب کی طرح



دلِ ویراں میں بہاروں کے پیمبر آئے
شبِ ظلمات میں کئی چاند سے پیکر آئے

بزمِ اغیار میں کیا جانئے کس کس کی طرف
تری آنکھوں کے چھلکتے ہوئے ساغر آئے

مثلِ برسات ہوئی آنکھوں سے بارش اتنی
یوں لگا ہم کو کہ ہم پی کے سمندر آئے

زندگی تیرے لئے ہم نے تری راہوں میں
لوگ کہتے ہیں بڑی دور سے چل کر آئے

کون کہتا ہے کہ پیار سے ہے پیار ملا
ہم پہ پھولوں کے عوض سینکڑوں پتھر آئے

خشک پیڑوں کو اس انداز پہ سینچا تھا میں
کیا پتہ کب مرے گلشن میں گلِ تر آئے



ہمارے حسن کی یہ نائیاں ہیں
تمہاری انجمن آرائیاں ہیں
وسیع تر شوق کی ارزانیاں ہیں
فزوں تر دشت کی پنہائیاں ہیں
وہ تجدید وفا ان کا تصور
بڑی قاتل مری تنہائیاں ہیں
نہ چاہنا اب کبھی اس بے وفا کو
دل پر خوں تری رسوائیاں ہیں
مرا جام طرب بھر دے او ساقی
چھلک جائیں گی جو تلخابیاں ہیں
میں ہنس دوں تو رلا دیگی یہہ دنیا
زمانے کی عجب غم خواریاں ہیں

ایک شعر

جلوۂ خود سری سہی ان کی جبیں شوق میں
اپنا بھی سنگ آستاں دیر و حرم سے کم نہیں



اک حسیں رات بھی ہے ان سے ملاقات بھی ہے
بارشِ لطفِ کرم حسنِ مراعات بھی ہے

کیوں سمجھتے ہو مری زیست کو کورا کاغذ
رنگ آمیزی بھی ہے درد کی سوغات بھی ہے

آؤ مل جاؤ گلے پھر یہہ گھڑی ہو کے نہ ہو
عید سی عید بھی ہے رسم مراعات بھی ہے

آپ کی یاد سہی دیدۂ پر خوں کا حصول
زندگی جشن بھی ہے شورشِ آفات بھی ہے

آپ کو ہم سے گلہ ہم ہیں جفا کیش سہی
یہہ حقیقت ہی سہی طرزِ حکایات بھی ہے

زندگی سے ہمیں ولسے تو ہے ہر آن ہی پیار
اس پہ ترغیبِ وفا آپ کی خود ذات بھی ہے

آؤ مل بیٹھیں زمانے سے بہت دور کہیں
مہربان وقت بھی ہے فرصتِ حالات بھی ہے

واعظ پیر حرم آپ کو ہم جانتے ہیں
رندِ میخانہ بھی ہر لب پہ مناجات بھی ہے

اپنی آنکھوں پہ یہ الزام کہ میخانے ہیں
تحسین شاعر ہی نہیں رندِ خرابات بھی ہے

ایک شعر

پھنکتا ہو دل بھی جب نفس زندگی کے ساتھ
پھر کیوں کہوں کہ آہ میں میری اثر نہیں



کھٹکھٹا جاتی ہے در بادِ صبا رات گئے
دیر تک آتی ہے دستک کی صدا رات گئے

تان دی چاند نے چاندی کی ردا رات گئے
زخمِ دل ہوگیا ہر ایک ہرا رات گئے

صبح دم لگتی ہے بیمارِ تمنا کی آنکھ
یوں رہا ہوتے ہیں پابندِ سزا رات گئے

آپ کو مانگ کے ہم بھول گئے ہیں خود کو
یوں بھی اٹھے ہیں کبھی دستِ دعا رات گئے

کوئی چنگاری نہیں ہے دلِ خاکستر میں
کیوں سلگ اٹھتا ہے پھر دشتِ وفا رات گئے

کچھ تھے اوراقِ پریشاں غمِ ہستی کا حصول
لے اڑی ان کو بھی کل دستِ صبا رات گئے

شمعِ دل نہ بجھاؤ کہ اندھیرا ہے بہت
کیوں دیے جاتے ہو دامن کی ہوا رات گئے

داستانِ دلِ ناکام ابھی باقی ہے کہاں
کون دیتا ہے مجھے اب بھی صدا رات گئے

بعد مرنے کے وہ مرقد پہ پشیماں کیوں ہیں
کیوں لیے آتے ہیں وہ پھول ذرا رات گئے

دلِ دیوانہ کو شب بھر تو ستایا تحسین
بڑھ گئی اور بھی کچھ بیم و رجا رات گئے



کاسۂ ظلمتِ ہستی میں چراغاں نہ کرو
زندگی کو مری اورنگِ سلیماں نہ کرو

خود فریبی کو سرابوں میں ابھی رہنے دو
سامنے لا کے حقیقت کو پشیماں نہ کرو

غم کے فانوس کو جلنے دو سیہ خانے میں
لذتِ درد کو منت کشِ درماں نہ کرو

اپنے ترکش ہی میں رہنے دو کمانِ ابرو
آئینہ دیکھ کے آئینے کو حیراں نہ کرو

پوچھتے پھرتے ہو کیوں قیمت سودائے خلوص
چند سکوں کی عوض حاصل ایماں نہ کرو

ٹوٹنے پائے نہ تلخابۂ ہستی کا خمار
دل کے آباد خرابے کو بیاباں نہ کرو

موجِ طوفاں میں بھی مل جاتا ہے منزل کا پتہ
کشتیٔ زیست کو طوفاں سے گریزاں نہ کرو

ہم چمن میں ہیں مگر لالۂ صحرا کی طرح
دل کو احساس کی شدت سے فروزاں نہ کرو

یوں نہ تصویرِ الم بن کے یہ کہئے تحسین
میں پریشاں ہوں مجھے اور پریشاں نہ کرو

ایک شعر

آپ پھونکوں سے بجھانے کی نہ کوشش کیجئے
مری مٹھی میں سحر ہے کوئی قندیل نہیں



زندگی راس نہیں راس بھی ہے آئی بہت
کیسے کہہ دوں کہ نہیں کی ہے مسیحائی بہت

کوئی نغمہ بھی میرے دل کا مسیحا نہ ہوا
ساز چھیڑے ہیں بہت ہم نے غزل گائی بہت

بے وفا آج بھی کہتا ہے زمانہ مجھ کو
کل تلک آپ سے ملنے میں تھی رسوائی بہت

پھول گلشن میں کھلے ہیں نہ بہار آئی ہے
تاویلیں کرتے رہے وقت کے سودائی بہت

کچھ مآلِ غمِ ہستی کا سبب ہو نہ سکا
اٹھ کے ساون کی گھٹا اب کے برس چھائی بہت

مڑ کے دیکھوں مجھے حالات نے فرصت ہی نہ دی
دور تک ساتھ مرے تیری صدا آئی بہت

تیری آنکھوں کے تلاطم نے ڈبویا مجھ کو
دل نے کی تھی مرے زخموں کی پذیرائی بہت

روز ہی ٹپکا ہے احساس کی آنکھوں سے لہو
زندگی بادہ و ساغر سے بھی بہلائی بہت

جھوٹ کہ آپ سے سمجھے تھے کہ ہم بھول گئے
یاد آئی جو کبھی آپ کی یاد آئی بہت

دل کو یہہ بھی تو گوارہ نہ ہوا اے تحسین
آپ نے کی تو تھی تجدیدِ شکیبائی بہت



وہ پہروں سامنے ہوتے ہیں پر باتیں نہیں ہوتیں
منور چاندنی میں چاندنی راتیں نہیں ہوتیں
امنڈ آتے ہیں بادل گھر کے برساتیں نہیں ہوتیں
حسیں دھوکے نہیں ہوتے حسیں گھاتیں نہیں ہوتیں
بگڑ جانا، روٹھنا لڑنا مرا اس دشمنِ جاں سے
وہ اُس کی جیت باقی ہے مری ماتیں نہیں ہوتیں
وہ مشفق اور وہ مونس وہ ہمدم اور وہ ہمرنگ
یہ غم ہوتا ہے سب خوشیوں کی باراتیں نہیں ہوتیں
ہمیں نے میکدہ چھوڑا ہمیں نے توڑ دی مینا
کہاں پر حسن والوں کی مداراتیں نہیں ہوتیں
خدا، والوں میں بھی تحسیں خلوصِ دل نہیں باقی
مرادیں بر نہیں آتیں مناجاتیں نہیں ہوتیں



گر سچ ہے کہ اپنی محرومی معراج تمنا ہوتی ہے
آہوں سے ہوائیں دے دے کر کیوں غم کے دیئے کو بھڑکائیں
اغیار کو جس پر رشک آئے وہ صبح تمنا دور نہیں
اوہام زمیں یوں ابھریں گے اجرام فلک تھرا جائیں
وہ شب کے اندھیرے کانپ گئے وہ صبح کے سوتے پھوٹ پڑے
اس مستی کے ذرے ذرے کو مانند گہر ہم چمکائیں
وہ ہوش بھی اپنا ہوش نہ تھا یہ نشہ میں بھی اپنا نشہ نہیں
اب اہل جنوں سے کہہ دو کہ پھر جذب جنوں کو گرمائیں
جب حضرت دل تھے ہوش میں تب قاتل سے رہے ہم سینہ سپر
اب جذبہ جنوں کا یہ عالم خود آپ ہی سے ہم شرمائیں
لو رات کے سوتے جاگ اٹھے تو صبح کے جاگے اٹھ بیٹھے
دو گام چلو وہ منزل ہے کیوں حسرت دل کو ٹھکرائیں



آہوں میں سموئی جاتی ہے اشکوں میں بسائی جاتی ہے
کیفیت دردِ غم ہی سہی اشعار میں گائی جاتی ہے

مرمر کے سلامت اب بھی ہیں کچھ وجہ کرم کے صدقے میں
ہستی یہ ہماری ہستی ہے دن رات مٹائی جاتی ہے

اس در کے سوالی ہم بھی ہیں کیا چیز نہیں ہے دامن میں
کونین کی دولت جس کے یہاں دن رات لٹائی جاتی ہے

مانا یہ مقدر اپنا ہے اے ضبطِ جنوں ایسا ہی سہی
کشتی کو بھنور میں چھوڑ بھی دے ساحل سے لگائی جاتی ہے

غیروں نے ہمیں کچھ لوٹ لیا اپنوں نے ہمیں کچھ داغ دیئے
اس در کا توسط قائم ہے جس در سے دہائی جاتی ہے

طوفاں و حوادث پیہم ہیں اپنے ہی لئے لاکھوں غم ہیں
بس غم کی کہانی اپنی ہے جو اب تک آئی جاتی ہے

لازم ہے حیاتِ ہستی میں ایک شور تلاطم برپا ہو
جس وقت شباب دوراں کو اک نیند سی آئی جاتی ہے

کچھ حوصلۂ دل ابھریں بھی کچھ گیسوئے برہم سلجھے بھی
کچھ چوٹ غموں کی ابھرے بھی ٹھوکر سے مٹائی جاتی ہے



آہوئے ختن دشت و دمن بھول گیے ہیں
ہم وسعت صحرا ہیں چمن بھول گیے ہیں

بیگانہ ہیں اس دشت میں سودائی نہیں ہیں
انجان ہیں گلشن کا چلن بھول گئے ہیں

اک بحر ہے اک جھیل ہے ان آنکھوں میں پنہاں
پایاب سے وہ گنگ و جمن بھول گئے ہیں

کانٹوں سے کشاکش تھی سلامت رہا دامن
بے صحبت گل لطف سخن بھول گئے ہیں

ہر روز مداوائے دل زخم جگر ہے
تاروں سے بھرا نیل گگن بھول گئے ہیں

اک شکل بھی اب صورت احباب نہیں ہے
یا ہم ہی روایات کہن بھول گیے ہیں

دل ٹوٹ گیا جیت ہے اس شیشۂ دل کی
یا یوں ہے کہ ہم جینے کا فن بھول گئے ہیں



نہ پذیرائی ہے کوئی نہ شکیبائی ہے
شکوۂ دوست اگر کیجئے رسوائی ہے

آپکو پانے کی چھو لینے کی حسرت کیوں ہے
کیا صبا آج بھی تجدید وفا لائی ہے

"جام مئے توبہ شکن توبہ مری جام شکن"
زندگی دور تلک ایسے بھی ساتھ آئی ہے

آپ سے مل کے بھی اس دل کی اداسی نہ گئی
پھر وہی غم وہی تنہائی سہی تنہائی ہے

ان سے ملنے کی لگن ان سے نہ ملنے کا غم
دل ہے یہہ آپکا یا عاشق ہرجائی ہے

دوست کچھ یوں بھی جلے ہیں تری یادوں کے دیے
دھوپ بھی زرد ہے اور شام بھی سنولائی ہے

کس لئے صبح سلگ اٹھے ہیں زخموں کے بدن
شام کیوں آج بھی محروم تمنائی ہے

چاند کو ہوتی نہیں زیور و زر کی حاجت
حسن کب دہر میں منت کش زیبائی ہے

لوگ کہتے ہیں کہ تم نے تو مجھے چھوڑ دیا
میرا احساس کہ قدموں کی صدا آئی ہے

دو شعر

بن کے حسرت جم گئی آنکھوں میں بھر تنویر شوق
بے کہے افسانے خود ہی مختصر ہوتے گئے
آہ جیسے دل کے زخموں کو ہوا دیتی رہی
اور روشن یہہ چراغ رہگذر ہوتے گئے



قصۂ غم سناتی رہی زندگی — خوب ہنستی ہنساتی رہی زندگی
ہم نے نقشِ قدم ان کے بڑھ کر لیے — رات بھر مسکراتی رہی زندگی
اک تصور کو سو طرح چوم کر — نقش انمٹ بناتی رہی زندگی
توبہ کر کر کے اس بت کے شکوے گلے — چوٹ پر چوٹ کھاتی رہی زندگی
وقت احساس کا رخ بدلتا رہا — مجھکو درپن دکھاتی رہی زندگی
روشنی کے لیے انجمن میں مری — کتنی شمعیں جلاتی رہی زندگی
دشتِ احساس چلتا رہا رات بھر — اپنا دامن جلاتی رہی زندگی
چشمِ نم میں وہ اترے مری رات بھر — تیرتی مسکراتی رہی زندگی

کتنے خورشید آنکھوں میں جلتے رہے
چاند کتنے اگاتی رہی زندگی



منزل سے بڑھ گئی ہوں کہ منزل نظر میں ہے
اک اضطراب سارے شام وسحر میں ہے
اے کشتیٔ حیات کے وہ رخش تیز گام
کیوں اک خلش سی آج یہ زخم جگر میں ہے
میں ہوں زمانہ ساز اگر یہ غلط نہیں
اک تازہ انقلاب یہاں ہر نظر میں ہے
اے چارہ گر تو قسمت اشک رواں نہ پوچھ
انمول اشک ہے جو مری چشم تر میں ہے
دشت وفا میں رہبر و رہزن کہاں رہے
لٹنے کا اشتیاق مجھے کیوں سفر میں ہے
وحشت سہی جنوں سہی برگشتگی سہی
جو داستانِ غم ہے دل معتبر میں ہے
الزام سب عدو کے مجھے یوں قبول ہیں
لذت یہ کچھ ایسی تہمت بیداد گر میں ہے



کسی نظر میں کسی دل میں بس رہی ہوں میں
تڑپ تڑپ گئے سبھی خوب ہنس رہی ہوں میں
بھری بہار میں بادِ سحر میں ساون میں
مثال پھول چمن میں مہک رہی ہوں میں
"وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ"
ہر ایک دور میں صبحِ جرس رہی ہوں میں
نظر نظر میں یہاں نفرتوں کے سائے ہیں
نگاہِ نرم روی کو ترس رہی ہوں میں
بساطِ شوق میں کس کو دوام حاصل ہے
کسی کے زعمِ محبت پہ ہنس رہی ہوں میں
مجھے ملا ہی نہیں ہے غرورِ زیبائی
گلوں میں گل ہی نہیں خار و خس رہی ہوں میں
مزاجِ دوست کی جولانیاں معاذ اللہ
دلِ غریب پہ پیہم برس رہی ہوں میں



اتنے ہوئے ہیں دور کہ نزدیک آ گئے
آنکھوں سے اجتناب کے پردے اٹھا گئے

میرے دل تباہ کی عیادت کے واسطے
خوابوں میں بس گئے کبھی دل میں سما گئے

تھی بات اپنی ذات کی یا کائنات کی
اک قصۂ الم تھا مجھے وہ سنا گئے

اس شورش حیات میں یادوں کے سلسلے
اشک رواں کی شکل سے آنکھوں میں آ گئے

بڑھتی گئی ہے اور بھی ذوق نظر کی پیاس
آنکھوں کے میکدوں سے وہ کتنی پلا گئے

اب کیا کہیں کہ کون خطا وار تھا کہاں
تھی مختصر سی بات فسانہ بنا گئے



اک میں نہیں ہوں، انجمن ناز وہی ہے
دنیا کے شب و روز کا انداز وہی ہے

موسیٰ تو نہیں ہے کوئی دیدار کا پیاسا
پر اب بھی تری انجمن ناز وہی ہے

ہم نے تو محبت کو بدلتے نہیں دیکھا
بے درد زمانے ترا انداز وہی ہے

اڑنے کی تمنا میں قفس لے کے اڑیں ہم
پرواز وہی طاقت پرواز وہی ہے

اب بخش نہیں دیتے سمرقند و بخارا
قالِ رُخِ زیبا وہی شیراز وہی ہے

ایں غنچہ و گل است کہ آں خار چمن است
شہر بدلے ہیں تحسین ابھی آواز وہی ہے

دو شعر

اے صبا تو ہی بتا کیسے ہیں یارانِ چمن
پرسشِ پھول سہی وضعِ گلستاں خفتن

ابھی باقی ہیں یہاں درد و مروت والے
ہیں فردکش ابھی گلشن میں فدایانِ چمن



جب کسی کو خانۂ دل میں بسا لیتے ہیں لوگ
مسکرا کر بارہا پلکیں جھکا لیتے ہیں لوگ
لاکھ طوفان آندھیوں میں جو کبھی نہ بجھ سکیں
ظلمتوں میں دیپ کچھ ایسے جلا لیتے ہیں لوگ
اب بھی دستورِ محبت کو نبھانے کے لیے
تہمتیں جتنی ملیں گی سب اٹھا لیتے ہیں لوگ
آستانے شوق پر جاتے ہیں سجدوں کے لیے
اور چاہت میں کسی کی نقش پا لیتے ہیں لوگ
زندگی کا حسن بھی نیکی سعادت بھی ہے یہ
اس لئے بھی ہر دکھی دل کی دعا لیتے ہیں لوگ
شعلۂ دل کے بڑھانے کو ہوا دیتے تو ہیں
آگ لگ جائے اگر دامن بچا لیتے ہیں لوگ

زندگانی رقص فرما صرف گلشن میں نہیں
آشیانہ بجلیوں میں بھی بنا لیتے ہیں لوگ

رسم دنیا ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں لوگ
بات ان کے ظرف کی ہے اپنا کیا لیتے ہیں لوگ

عزم محکم ہو تو کچھ مشکل نہیں منجدھار میں
بن کے موجِ بے کراں ساحل کو پا لیتے ہیں لوگ

آنسوؤں پر ڈال لیتے ہیں مسکراہٹ کی نقاب
دردِ دل دردِ جگر کو یوں چھپا لیتے ہیں لوگ

زلف و رخسار کے ہو جاتے ہیں خود ہی اسیر
مثلِ بسمل پھر تڑپنے کا مزہ لیتے ہیں لوگ

مثلِ پروانہ کہیں شمع پہ جل جاتے ہیں لوگ
چشم میگوں سے کہیں آبِ بقا لیتے ہیں لوگ

اب بھی تحسینؔ شورشِ ہنگامۂ ہستی سے دور
دوست کو بڑھ کر گلے اپنے لگا لیتے ہیں لوگ



اشک میرے صورت گریہ نکلتے بھی نہیں — درد سارے زخم کے سانچے میں ڈھلتے بھی نہیں
موجِ دریا میری کشتی یہہ طلاطم خیزیاں — ساتھ طوفاں ساتھ کیوں ہیں رخ بدلتے بھی نہیں
بزم میں دیکھا ہے ہم نے کون ہیں اہلِ وفا — شمع کے مانند پروانے پگھلتے بھی نہیں
جب دھندلکوں میں ملے تھے زندگی کے کارواں — اب اجالوں میں نشان راہ ملتے بھی نہیں
دوست میرے اشک ہیں شبنم بھی موتی سہی — جذب آنچل یہہ نہیں دامن میں رکتے بھی نہیں
ضبطِ غم میں ہم نے پائی لذتِ سوز و گداز — اب تمناؤں کے شاید خواب پلتے بھی نہیں
ایک سی ہے بزم میں کیفیت مئے و شباب — بات کیا ہے ساقیا میکش بہلتے بھی نہیں
میرے مونس میرے ہمدم میرے شفیق ہمنوا — زندگی میں زندگی کے ساتھ چلتے بھی نہیں

لوگ بھی بدلے ہیں تحسین وقت کی گردش کے ساتھ

جو چراغ راہ تھے وہ آج جلتے بھی نہیں

تین شعر

دل کی دنیا لٹائی جاتی ہے — دل کا سودا کیا نہیں جاتا
زندگی زندگی سے ملتی ہے — قصہ مرگ ہے مگر تنہا
جو بھی گذری وہی غنیمت ہے — کون جانے کہ اور کیا ہوگا



دعوتِ ذوقِ عمل بھی نہیں دیوانوں کو
جذبۂ فکر دیں کس طرح سے پروانوں کو
کشتیٔ دل ہی ڈبو دیں کہ کنارہ ہو جائیں
کوئی ترغیب نہیں بحر میں طوفانوں کو
اک ذرا حوصلۂ دل بھی نہیں ہے جن کو
وہ بھی جاتے ہیں کس انداز سے میخانوں کو
کس قدر بدلے ہیں انداز بھی دیوانوں کے
ہمنوا قیس کے جاتے نہیں ویرانوں کو
جن گلستانوں میں بجز خاک بسر کچھ بھی نہیں
ترے مایوس نہ لوٹیں ان ہی ویرانوں کو

ایک شعر

صیاد نے مٹا ہی دئے یوں نشانِ قید
طائر قفس میں جیسے گرفتار ہی نہ تھا



دے رہا ہے پھر فریبِ زندگی یہ دل مجھے
دیکھتا ہے لطف کی نظروں سے پھر قاتل مجھے

پھر مرے احساس کو احساسِ غم ہونے لگا
پھر زمانے کہہ رہا ہے دیکھئے بسمل مجھے

میں تو وہ ہوں کہ جدا سایہ بھی مجھ سے ہے مرا
آپ کیوں سمجھے ہوئے ہیں زیست کا حاصل مجھے

میں نے ہر منزل پہ چاہا اک نئی منزل ملے
آج ٹھکرائی ہے جیسے ہر نئی منزل مجھے

ضبطِ غم ہے حاصلِ واماندگی میرے لئے
کب تلک کرتی رہے گی زندگی گھائل مجھے

چھین لے میرے خدا مجھ سے میری فرزانگی
اے شعورِ زندگی کر دے ذرا غافل مجھے

اب بھنور گرداب و طوفاں سب کے سب ناکام ہیں
اب کرم کر دے ڈبو دے تو ہی اے ساحل مجھے



اب ہم کو اُن سے کوئی رسم و راہ بھی نہ رہی
کرم تو خیر ستم کی نگاہ بھی نہ رہی
ملول دل ہے مگر وہ ملال بھی نہ رہا
کسی سے پہلی سی اب کوئی چاہ بھی نہ رہی
وہ زندگی جو عبارت تھی چار لفظوں میں
تباہ تھی تو سہی اب تباہ بھی نہ رہی
وہ چار تنکے نشیمن کے میری جائے پناہ
وہ نذرِ برق ہوئے اب پناہ بھی نہ رہی
وہ جن کی پرسشِ احوال روز ہی تھی
بچھڑ گئے ہیں تو اب گاہ گاہ بھی نہ رہی
صلوٰۃ و صوم کی پابند زندگی تو نہ تھی
جو میکدے سے ملی تھی وہ راہ بھی نہ رہی
فسانۂ غم ہستی عجیب ہے تحسین
کہ کوئی بات ثواب و گناہ بھی نہ رہی



کہنے کو یوں تو آپ کی مجھ پر نظر ہوئی
محروم انبساط مری چشم تر ہوئی

اتنا نوازشوں نے تھا گستاخ کر دیا
ہم پر حرام آج تری رہگذر ہوئی

کہتے ہیں کائنات اِدھر سے اُدھر ہوئی
کس کو خبر کہ شام ہوئی یا سحر ہوئی

طوفاں بدوش ہوگئی جب موج تند تیز
ساحل شناس جیسے ہماری نظر ہوئی

اُن کے کرم کے نام پہ مر مر کے جی اُٹھے
پوچھے نہ کوئی ہم سے کہ کیسے بسر ہوئی

اے دوست شب گذر گئی پچھلا نہ پوچھ
کتنی دراز ہم پہ شب مختصر ہوئی

گہہ دشت سے گذر گئے گہہ بوستاں سے ہم
ہر دو نفس میں یاد تری چارہ گر ہوئی



کس جگہ حالات کا ماتم نہیں
نظم عالم کس جگہ برہم نہیں

مٹ گئے کتنے ہی تیرے نام پر
پھر بھی طوفان حوادث کم نہیں

داغ دامن پر ترے آنے نہ پائیں
ہم کو اپنا آپ یوں بھی غم نہیں

زندگی ہے پھول بھی رخسار بھی
میکدے میں صرف کیف و کم نہیں

خواہشیں اتنی کہ ہر خواہش عظیم
کیوں کہوں میں حسرت پیہم نہیں

حسرت دیدار میں جیتے ہیں ہم
یہ بھی جینے کو بہانہ کم نہیں

غم میں جیسے کچھ شکیبائی بھی ہے
زخم دل کو حاجت مرہم نہیں

میرے غم پر طعنہ زن ہو اس طرح
جیسے زلفوں میں تمہاری خم نہیں

جیسے نبض زندگی ہی رک گئی
کیوں مزاج دوست اب برہم نہیں

رنگ گل و گلستاں بھی ہے یہی
صرف تحسین شاعری ماتم نہیں



کشتی بھنور میں چھوڑ دی طوفاں ہے ناخدا
اب دیکھتے ہیں ہمت بیدادگر کو ہم
اٹھتا ہوا غبار رہی منزل کا تھا نشاں
یوں دیکھتے رہے تھے تری رہ گذر کو ہم
ٹکڑے دلوں کے جوڑ دے وہ شیشہ گر نہیں
سو رنگ بدل کے دیکھے ہیں تیری نظر کو ہم
وہ غم ملا کہ شوق کی دنیا ہی لٹ گئی
پھر ڈھونڈتے ہیں لذتِ دردِ جگر کو ہم
ان کی وفا سے ان کا تصور ہے باوفا
جب چاہے دیکھ لیتے ہیں آئینہ گر کو ہم
تحسین چھوڑ بے کسیٔ کارواں کی بات
دیکھے ہیں کچھ قریب سے بھی راہبر کو ہم



کس قدر آنسو بہائے ہیں تبسم کے لئے
کتنے ترشے ہیں صنم حسنِ مجسم کے لئے

ہم نے سوچا ہی نہیں ہے کس نے ہم کو کیا دیا
ہر خوشی بھی چھوڑ دی ہے ربط باہم کے لئے

عمر بھر مرتے رہے ہیں زندگی کی چاہ میں
اک خلوصِ دل کی عظمت جذبِ پیہم کے لئے

اس کی ہر سانس لوٹی ہے تمہارے نام پر
کیا کیا آئے نہیں تم پرسشِ غم کے لئے

گاہ ہم نے اپنی پلکوں میں چھپایا ہے تجھے
گاہ بوسے ہم نے تیری زلفِ برہم کے لئے

بے قراری جب بڑھی تخیل میں آئے ہیں آپ
یوں محبت میں مزے بھی درد کم کم کے لئے

شدتِ احساس سے جلتی ان آنکھوں کے لئے
چند قطرے برگِ گل سے ہم نے شبنم کے لئے



جنوں کی رہنمائی بھی نشانِ کارواں کیوں ہو
بگولہ اٹھ چکا ہے جو وہ منزل کا نشاں کیوں ہو

نہیں جو واقفِ اسرار اپنا راز داں کیوں ہو
جھکے دل ہی نہ جس جا پھر وہ تیرا آستاں کیوں ہو

تعلق کیا ہے واعظ کو کسی کی عیب جوئی سے
بیاں جو اس نے تم سے کی وہ میری داستاں کیوں ہو

ہماری آنکھ میں پنہاں ہزاروں داستانیں ہیں
کسی کے دم سے وابستہ ہماری داستاں کیوں ہو

ذرا سی بات میں ایثار کا جذبہ نہیں ہے جب
تمہاری مہربانی کیوں تم ہم پہ مہرباں کیوں ہو

نہیں تحسین اگر احترامِ دل نہیں کہتے
ہماری صاف گوئی پر وہ ظالم بدگماں کیوں ہو



پھولوں کی انجمن سے گریزاں ہیں خار کیوں
دامن کشاں چلی ہے نسیمِ بہار کیوں

کس نے خبر دی میرے نشیمن کی خیر ہو
ہے بجلیوں کی جنگ ابرِ بہار کیوں

اے دوست مجھ کو وحشتِ صحرا نہیں عزیز
یہ بھی نہ پوچھ خار گلے کا ہیں ہار کیوں

تم ساتھ ہو تو میری بہاریں ہیں میرے ساتھ
فصلِ بہار کا ہو مجھے انتظار کیوں

کچھ زہر ہی پلاؤ کہ امرت نہیں عزیز
پھیلا ہوا ہے دامنِ لیل و نہار کیوں

ساقی ترے تغافلِ بے جا کا واسطہ
آنچل رخِ حیات کا ہے تار تار کیوں

کس نے وفا کے نام کو رسوا کیا ہے آج
جلوے تمہارے ہو گئے ہیں شرمسار کیوں

کیا کیا نہ نسبتیں ہیں غمِ بے پناہ سے
ہم رہگذر پہ بیٹھے ہیں امیدوار کیوں



جادۂ شوق رہِ فکر و نظر سے گذرے
ہم بھی تھے ساتھ وہاں آپ جدھر سے گذرے
راس آیا نہ ہی زنداں نہ نشیمن ہی ملا
راہ میں ایسی بھی ہم راہ گذر سے گذرے

نہ ڈرا مجھکو اے افسردہ خیالوں کے ہجوم
کیسے کیسے مرے ہنگام نظر سے گذرے
دل کی موجوں میں طلاطم میں کنارہ نہ ملا
سبھی ارمان مرے دیدۂ تر سے گذرے

اک طرف موجِ بلا دوسری جانب منزل
کیا خبر تجھ کو کہ دیوانے کدھر سے گذرے
اک نئی راہ کی تشکیل ہوئی ہے ہر وقت
درد مند جب بھی دلِ خاک بسر سے گذرے

دل ہی ٹھہرا نہ رکا ہے کبھی نظمِ عالم
حادثے کتنے یہاں قلب و نظر سے گذرے



صبح انگڑائی بھی لینے نہیں پائی تھی ابھی
حادثے پھیل گئے سایۂ مژگاں کی طرح

اسے موضوعِ سخن کی طرح ڈھونڈا ہم نے
وہ جو چھپتا رہا افسانے کے عنواں کی طرح

دم تو گھٹ جائے مگر آگ نہ لگنے پائے
شمع جلتی رہی اک شمعِ سوزاں کی طرح

جذبۂ مستیِ اربابِ وفا سے ناصح
روشنی ہے مری محفل میں چراغاں کی طرح

دوستی میں نہ ہو کم ظرف کوئی اتنا بھی
بات الجھتی ہے یہاں کاکلِ پیچاں کی طرح

مدعائے دلِ بیمار ہے اب بھی تحسین
رہیں زنداں میں مگر فخرِ گلستاں کی طرح



طاق میں رکھی ہے جیسے شمعِ سوزاں دیکھئے
میری پلکوں پر نمایاں اشک لرزاں دیکھئے

لطف پر مائل ہے پھر چشمِ گریزاں دیکھئے
دیکھئے بے درد دل کی طبعِ جولاں دیکھئے

زخمِ دل کو دیکھئے رنگ گلستاں دیکھئے
ان کا دامن دیکھئے اپنا گریباں دیکھئے

پھر گرفتار خرد ہے عشقِ ناداں دیکھئے
وسعتِ قلب و نظر کا چاک داماں دیکھئے

لالہ و گل کی حقیقت اک فسانہ ہی سہی
سینۂ لالہ میں اب بھی داغ پنہاں دیکھئے

کتنے ارمانوں کا مدفن ہے دلِ شوریدہ سر
دل کے ویرانے میں اک شہرِ خموشاں دیکھئے

زلفِ لیلائے شب دیجور سمٹی ہے کہیں
آشکارا ہے شفق سے صبح خنداں دیکھئے

ان کو کیا پروا کہ بزمِ غیر میں ہیں آشنا
ساز کے مدھم سُروں پر ہیں غزل خواں دیکھئے



یہ نظارے روح پرور یہ فضائیں جانِ نغمہ
وہ جو ساتھ ساتھ ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

نہ یہ شب کی وحشتیں تھیں نہ یہ دل کے فاصلے تھے
مری انجمن وہ ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

کہو دردمندیوں سے کہ وہ اب نہ دل دکھائیں
وہ جو اشکِ غم پروتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ تمام موجِ مستی یہ تمام کیف و مستی
یہ سفینہ وہ ڈبوتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ سوالِ عجزِ تمنا یہ فسونِ جورِ پیہم
مری زندگی وہ ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

کہیں میکدہ ہے مستی کہیں تشنہ کامیاں ہیں
کبھی ہنس کے ہم بھی روتے تو کچھ اور بات ہوتی

نہ ہو رنجشیں ہماری نہ وہ حسرتیں ہماری
غمِ دل میں وہ سموتے تو کچھ اور بات ہوتی

کبھی جشنِ مے پرستی کبھی چشم خود پرستی
وہ مزاج داں جو ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

نہ یہ گردشیں رکی ہیں نہ رکا ہے یہ زمانہ
انھیں پا کے ہم جو کھوتے تو کچھ اور بات ہوتی



یہ رہبر صرف حدِ کارواں تک ساتھ دیتے ہیں
یہ کب محفل میں حسنِ امتحاں تک ساتھ دیتے ہیں

کئی سجدے تڑپتے ہیں جمالِ حسن سیما میں
کہاں سجدے بہ سنگِ آستاں تک ساتھ دیتے ہیں

جہاں محمل کو دیکھا محملِ لیلیٰ سمجھتے ہیں
وہیں منزل سمجھتے ہیں جہاں تک ساتھ دیتے ہیں

مجھے معلوم ہے ظرفِ تمنا اک بڑی شئے ہے
مہرباں جنوں میرا کہاں تک ساتھ دیتے ہیں

زمینوں پر نہیں بنتے ضیائے ماہ تاباں یہ
یہ خود بیں کب ہمارا کہکشاں تک ساتھ دیتے ہیں

گلوں کو ہم نے ٹھکرایا نہ پا کر بوئے گل ان میں
یہ خار و خس ہمارے اب کہاں تک ساتھ دیتے ہیں

ہے دسترس اتنی کہ شرح غم بیان کر دوں
، و نطق عرض داستاں تک ساتھ دیتے ہیں
کچھ اس طرح سجائے ہیں سر مژگاں کہ اشکوں کو
ہیں شمع انجمن بزم جہاں تک ساتھ دیتے ہیں
، زندگی تحسین کچھ ایسے تم نے پائے ہیں
انے سے واعظ کے بیاں تک ساتھ دیتے ہیں



یہی شہکار ہیں جلتے ہیں قدرت کے سوالوں کا
نظر ایکبارگی اٹھی جو سوئے آسماں میری

ہماری پاک دامانی نہ پوچھ اے ناصح ناداں
کہیں مایوس ہو جائے نہ سن کر داستاں میری

زمانہ ہی نہیں ارض و سما بھی ساتھ دیتے ہیں
تمنا بن کے آتی ہے لبوں پر جب دعا میری



صرف باتوں باتوں میں بات ہی نہیں بنتی
ذوقِ خود فراموشی تیرا ہے نہ میرا ہے

ساتھ چھوڑ بیٹھے ہیں بیکسی و ہنگامے
سایۂ غمِ ہستی کس قدر گھنیرا ہے

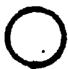
کچھ بھٹکتے طوفاں ہیں سر پٹکتے ویرانے
زندگی کی راہوں میں موت کا بسیرا ہے

آج ہر قدم پہ ہے زندگی کی بربادی
روشنی کی کرنوں کو ظلمتوں نے گھیرا ہے

وہ تصورِ فردا اک حسین تغافل تھا
آنکھ مل کے دیکھا ہے ہر طرف اندھیرا ہے

وہ شفق کی لالی میں قافلے اُبھر آئے
رنگ ہائے مستقبل کس قدر سنہرا ہے

کیا گلہ کریں تحسین اپنی اپنی قسمت ہے
میری ظلمتِ شب ہے آپ کا سویرا ہے



کتنے اداس ہو کے رہے انجمن میں ہم
آئے ہیں چار دن کے لئے اس چمن میں ہم

مثلِ خرامِ ہر وہ تمنا نثار کی
جس طرح سربلند تھے سرو و سمن میں ہم

کتنی کٹھن تھیں جینے کی شرطیں جہاں میں
خوشبو کی طرح پھیل گئے انجمن میں ہم

وہ غم کی آنچ شہرِ نگاراں ہی جل اٹھا
کانٹوں کو بھی سجا لیا گل پیرہن میں ہم

مت پوچھ ہم سے نقدِ دل و جاں لئے ہوئے
کس طرح بچ کے آئے تری انجمن میں ہم

کچھ قافلے بہار کے جیسے رواں دواں
دیکھا کئے ہیں صبح کی پہلی کرن میں ہم

روشن تبسموں کے دریچے سے وہ صبا
لو کہہ گئی کہ ایک ہیں بزمِ سخن میں ہم

تحسینِ صبحِ نو کا ہم ہی بانکپن رہے
اک اپنی ذات ہی سے سہی انجمن ہیں ہم



کسی کا معصوم بھولپن یاد آیا
وہیں قصۂ کوہکن یاد آیا
خزاؤں کے جور و ستم سہتے سہتے
بہاروں کا نازک چلن یاد آیا
رکے چلتے چلتے جو منزل سے آگے
وہ ہنگامِ صبحِ چمن یاد آیا
مرے ماہ و انجم جو چمکے زمیں پر
فلک پر مہ سیم تن یاد آیا
کیا زندگی نے کسی سے کنارہ
کسی کا وہ بیگانہ پن یاد آیا
فریبِ تمنا جو کھاتے رہے ہم
صداقت کا دیوانہ پن یاد آیا
کسی نے پکارا اے تحسین کسی کو!
گلوں میں وہ گل پیرہن یاد آیا



جھوم کر رنگین فضائیں رنگ برسانے لگیں
ہوش سب بے خود ہو گیا اور مستیاں چھانے لگیں

عشق نے چھیڑا فسانہ وقت کی مضراب پر
وحشتیں صحرا بداماں ہم کو تڑپانے لگیں

ہو گئیں نادم گھٹائیں چاند تاروں کے قریں
جب کسی کے رخ پہ زلفیں آکے لہرانے لگیں

نرگسِ بیمار نے بھی اپنی آنکھیں موند لیں
میری آنکھیں ان کی آنکھوں سے جو شرمانے لگیں

ہو گیا میرے شعورِ غم میں پیدا ارتعاش
وہ نگاہیں جب بھی مل کر کیف برسانے لگیں

عزم پر غالب ہوئی ہیں حوصلوں کی پستیاں
کیوں بساطِ آرزو پر مات بھر کھانے لگیں

خود فضائیں بن گئیں وجہِ بہارِ گلستاں
زندگی کے رخ سے پردہ آپ سرکانے لگیں

جھوم کر ٹکرائی ہم نے جب صراحی جام سے
میکدے کی مست راتیں رقص فرمانے لگیں

وہ ترانے وہ فسانے وہ ملاقاتیں حسیں
حاصلِ غم بن کے تحسین یاد پھر آنے لگیں



عید کچھ اس نئے انداز سے آئی اب کے
ساتھ اپنے آئی ہے دامن کو گلوں سے بھر کے
صبح کے رخ پہ یوں پھیلا ہے شفق کا غازہ
جیسے آنچل کے کنارے ہوں گلابی ہلکے
یوں چھلک اٹھیں مسرت سے نگاہیں میری
جیسے ساغر سے مئے ناب کی مستی چھلکے
اس طرح چھٹ گئے دل سے مرے غم کے بادل
جیسے سر سے کسی معشوق کا آنچل ڈھلکے
زندگی آج بھی اک خواب ہے دیوانے کا
کتنے ارمان سلگتے ہیں دلوں میں کھل کے



تنہا جادۂ منزل سے آگے — نشان دل یہ ہے کہ دل نہیں ہے
فروغ شوق کا حاصل نہیں ہے — "چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے"
بڑھے کچھ اور کہہ دو ناخدا سے — یہ موج آب ہے ساحل نہیں ہے
زوال دیدنی ہے شب کا منظر — یہ ماہ نیم شب کامل نہیں ہے
یہ ہیں انگڑائیاں موج شفق کی — یہ محفل یہ تری محفل نہیں ہے



زلف گیتی کے سلجھنے کی کوئی بات سہی
بات آئے تو کوئی بات کروں یا نہ کروں

مجھ سے وہ پوچھتے ہیں میرے تفکر کا سبب
ان سے اظہار خیالات کروں یا نہ کروں

دل پہ قابو بھی نہیں جبر گوارہ بھی نہیں
خود کو وابستۂ حالات کروں یا نہ کروں

جس سے آجائے وفا پر کوئی الزام نیا
ان سے میں ایسے سوالات کروں یا نہ کروں

ان دھندلکوں کو ابھی رات کہوں یا نہ کہوں
شکوۂ گردش آفات کروں یا نہ کروں

کشمکش ہے مرے معصوم سے ارمانوں میں
وہ جو آجائے مدارات کروں یا نہ کروں

لب پہ آتی نہیں تم سیدہ حکایت تحسین
آنکھ آئینۂ جذبات کروں یا نہ کروں



کچھ ایسی چھا گئیں دھند لاہٹیں غم دل کی
ہم اپنے آئینہ دل میں ان کو لا نہ سکے

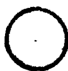
فریب غم میں جیئے اور فریب غم میں مٹے
وہ لوگ جو کہ مقدر کو راس آ نہ سکے

فلک کی بات نہ کر ہم ہیں خستہ حال چمن
کہ فرشِ خاک پہ بھی آشیاں بنا نہ سکے

ترے خیال کی محویتیں ارے توبہ
ترے بغیر کبھی کھل کے مسکرا نہ سکے

تمہارے ساتھ تھے محفل میں ہم بھی جام بدست
اٹھائے جام لبوں کو مگر لگا نہ سکے

غم حیات نے وہ غم دے کہ اے تحسین
خوشی کے نام پہ دو اشک جھلملا نہ سکے



چاندنی رات ہے تاروں کا جہاں ہے اے دوست
زندگی ساحل دریا پہ رواں ہے اے دوست

اشک شوئی کے لئے اب بھی ہیں دامن لرزاں
زندگی آج بھی اک خوابِ گراں ہے اے دوست

تیرے اشعار کا اخلاص میں ڈوبا ہوا رنگ
نغمۂ جاں کہیں جانِ جہاں ہے اے دوست

اب بھی مایوس ہیں وابستۂ تقدیر ہیں دل
اب بھی اٹھتا ہوا سینے سے دھواں ہے اے دوست

دل کشی سی جو نظر آتی ہے افسانے ہیں
ذکر کیا میرا ترا طرز بیاں ہے اے دوست

کتنے بے رنگ سے خاکوں میں لہو بھرتی ہوں
دل کی دھڑکن سے مرا رشتۂ جاں ہے اے دوست

دل کے داغوں ہی سے تزئین گلستاں کی ہے
قابلِ دید بہاروں کا سماں ہے اے دوست

جبر کیا چیز ہے بے داد کی قیمت کیا ہے
ذہن آزاد ہے احساس جواں ہے اے دوست

دشت تو دشت تھا گلشن میں بھی وحشت سی ہے
کارواں کونسی منزل میں رواں ہے اے دوست

یہہ نیا سال ہے بکھری ہوئی فکروں کا امیں
یہی سرمایہ یہی گنجِ گراں ہے اے دوست



وقت کی ٹھہری ہوئی نبض رواں ہو جائے
تیری ازمبیل میں وہ رطل گراں ہے اے دوست

رات گذری ہے مگر رات کے سائے ہیں وہی
ہر قدم آج بھی بے نام و نشاں ہے اے دوست

وقت کے جلتے ہوئے زخم کا مرہم بن جا
تیری جانب یہ زمانہ نگراں ہے اے دوست

ان جھکتے ہوئے جنت سے خیابانوں میں
زندگی سوز دروں شعلہ فشاں ہے اے دوست

تم نے پوچھا نہیں کس حال گذرتی ہو گی
تم نے پوچھا نہیں کیا رنگ نہاں ہے اے دوست

دیپ پلکوں پہ جلاتی ہوں سحر کی خاطر
میری آنکھوں سے کہاں سیل رواں ہے اے دوست



دل بجھ بھی گیا جی چھوٹ گیا ہر بات بنی ہے افسانہ
خوشیوں کی تمنا کیا کیجیے کیا غم کا فسانہ دہرائیں
بدلے ہیں بہت کچھ آپ مگر یہ آپ کا کوئی دوش نہیں
کیوں آپ ہیں بدلے بدلے سے ہر بات کہاں تک بتلائیں
جو نامِ وفا پر مٹ بھی گئے آدابِ وفا سے واقف ہیں
ان اہلِ وفا کو حیرت ہے آدابِ وفا وہ سکھلائیں
تم مست سہی مخمور سہی یہ دن میں تمہارے دن بھی سہی
ہم بھی تو یقیں ہیں وہم نہیں یہ بات کہاں تک سمجھائیں
تحسینِ غمِ دل کیا کہیے اپنوں کی شکایت کیا کیجئے
حالات کا شکوہ کس سے کریں کیا زخمِ جگر ہم دکھلائیں

دو شعر

عید کا بارِ گراں کون اٹھائے اے دوست
فرض جو قرض ہوا کون نبھائے اے دوست
عید آئی تو ہے پیغامِ تمنا لے کر
کون روتی ہوئی آنکھوں کو ہنسائے اے دوست



کہنے کو یوں تو آپ کی مجھ پر نظر ہوئی
محروم انبساط مری چشم تر ہوئی

کہتے ہیں کائنات اِدھر سے اُدھر ہوئی
کس کو خبر کے شام ہوئی یا سحر ہوئی

طوفاں بدوش ہو گئی جب موج تند و تیز
ساحل شناس جیسے ہماری نظر ہوئی

ان کے کرم کے نام پہ مر مر کے جی اٹھے
پوچھے نہ کوئی ہم سے کہ کیسے بسر ہوئی

اے دوست شب گذر گئی پچھلا پہر نہ پوچھ
کتنی دراز ہم پہ شب مختصر . . . ہوئی

گہہ دشت سے گذر گئے گہہ بوستاں سے ہم
ہر دو نفس میں یاد تری چپا دہ گر ہوئی



اس طور اپنی زندگی مختصر رہی — نذرِ خودی کبھی تو کبھی بے خودی رہی
صناعیِ حیات میں ہے کون جلوہ گر — کتنے ہی اٹھ گئے پہ یہ محفل سجی رہی
ساقی ترے کرم سے شکایت نہیں مجھے — تو نے لبالب بھر دی مجھے تشنگی رہی
ساقی رہے یہ شام رہے میکدہ رہے — اپنی ہے زندگی نہ رہی یہ رہی رہی
اک گونہ بے خودی بھی مجھے چاہئے مگر — بس اس قدر کہ جتنی مجھے آگہی رہی
سعیِ کرم کے بعد بھی تسکینِ دل نہیں — شاید ہمارے جذبۂ دل میں کمی رہی



شکوۂ ناز ہی رہا تم کو — اور ہم کو نیاز نے مارا
خلشِ دل کی کوئی بات نہ تھی — ایک دل کے گداز نے مارا
کاش اتنا تو کہہ سکوں تم سے — ہائے کس بے نیاز نے مارا
کیا گلہ ہم کریں زمانے کا — محرمِ سوز و ساز نے مارا
غیر محمود کی عنایت تھی — انکسارِ ایاز نے مارا

کب حقیقت کا ہوش ہے ناصح
ہم کو رنگِ مجاز نے مارا



اُداس میں ہوں مگر یہ جہاں اداس نہیں
کسی بھی دید کی میری نظر کو پیاس نہیں

ہر ایک مل کے گھڑی دو گھڑی بچھڑ بھی گیا
بہت تھی آس مگر اب کوئی بھی آس نہیں

گداز غم بھی بہت کچھ گداز دل کے لئے
وہ لذتِ غمِ دل یہ بھی مجھ کو راس نہیں

حیات چیختی روتی ہے سر پٹکتی ہے
وہ زندگی بھی کہوں غم کی میں اساس نہیں

بہار وہ ہوں بہاروں میں لٹ گئی اکثر
وہ برگ و بار ہوں جن کا کوئی لباس نہیں



اشک لرزاں زر فانوس کے مہدم ہونگے
داغ دل جب یہہ مرے صورت مرہم ہونگے

عشق ناکام رہے حسن کے جلوے خاموش
جب بھی دنیائے محبت پہ ستم کم ہونگے

کتنے ساحل پہ تمنا کے سفینے ڈوبے
کتنے گرداب میں یہہ سلسلے پیہم ہونگے

چند گام اور ابھی جان حزیں ساتھ تو چل
کل تو جو نقش قدم ہونگے وہ مبہم ہونگے

ہم جو لک جائیں تو رک جائے گی نبض ہستی
چل پڑیں ہم تو یہاں کتنے تلاطم ہونگے

کل بھی کیوں آج ہی چل نکلے منزل کے لئے
کون جانے یہہ فضا ہوگی کہ ہم تم ہونگے

زندگی ایک حباب رخ دریا ہی سہی
پھر بھی ساحل پہ تلاطم تو بہت کم ہونگے

ہم نے ہر تان کو کچھ سوچ کے کل پر توڑا
ایسے نادان بھی دنیا میں بہت کم ہونگے



ڈالی گئی ہے طبعِ نازک پہ یوں نقاب
حاضر ہیں پھر بھی جیسے کہ غائب کہیں ہیں ہم

ڈرتے نہیں چمن میں خزاؤں کے جور سے
ہم ہیں بہارِ موسمِ گل کے امیں ہیں ہم

اب دم بخود ہیں اتنے کہ آتا نہیں خیال
کیا ہیں تمہاری بزم میں اور کیا نہیں ہیں ہم

ناکام ہر امنگ ہے رونذی ہوئی بہار
ساحل سے دور دور بھنور سے قریں ہیں ہم

یہ تفرقہ تو دیکھئے لیل و نہار کا
کل آسماں تھے آج تو گویا زمیں ہیں ہم

ہم نقش وہ نہیں ہیں جو جب آ ہیں مٹا سکیں
اس سرزمین پہ وہم نہیں ہیں یقیں ہیں ہم

کس کو نہیں ہے شان و شوکت کا اعتراف
تحسینؔ اس زمین پہ عرش بریں ہیں ہم



وہی بجلیوں کی چشمک وہی تیرا آشیانہ
کہ ادھورا رہ نہ جائے غم زیست کا فسانہ

وہی میری دردمندی وہی تیری بے نیازی
نہ یہ رسم و راہ بدلیں جو بدل گیا زمانہ

نہ وہ شام کا ترانہ نہ وہ لطف صبح گاہی
وہی راہ رہ نوردی وہی زیست کا فسانہ

مرا راز لفظ کن میں تری ذات ہے ابد تک
تری زندگی حقیقت مری زندگی فسانہ

ترا حکم ضبط غم ہے مجھے شکوۂ تباہی
تری بات ہے مکمل مرا فعل احمقانہ

ہے ازل سے تو ابد تک نہ سمجھ سکے گا کوئی
ترا حسن غائبانہ مرا عشق غائبانہ



جب پھول پہ شبنم ہوتی ہے — یہہ آنکھ بھی پُرنم ہوتی ہے
کلیوں کو سناتی ہے وہ صبا — یاں یاد ہی ہمدم ہوتی ہے
کچھ درد بھی کم کم ہوتا ہے — کچھ چوٹ بھی پیہم ہوتی ہے
ہر جلوہ میں تیری نکہت ہے — اور میری جبیں خم ہوتی ہے
وہ شوخ نظر کچھ بھی نہ سہی — وہ زیست کا عالم ہوتی ہے
جب نام ترا لیتی ہوں
یہہ زیست مجسم ہوتی ہے

تین شعر

غریب دل کو خود اپنے پہ اختیار نہیں
ستم روا ہے مگر یہ ستم شعار نہیں
کسی کی گرد کدورت نظر میں کیوں آئے
خود اپنے آئینہ دل میں جب غبار نہیں
تمہاری بزم میں امیدوار کب سے ہیں
یہہ کہہ بھی دو کہ مجھے تم سے کوئی پیار نہیں



کیوں چھپ سناٹا مجھ کو یوں ڈراتا ہے
کتنی دل شکستہ ہوں کیا یہ راز مستی ہے
اک بھری سی محفل میں کس قدر اکیلی ہوں
بے کسی کی صورت ہوں زندگی ترستی ہے
ادھ کھلی سی آنکھوں میں خواب کچھ ادھورے سے
زندگی کی پائل میں گیت ہے نہ مستی ہے
گرم گرم آنسو ہیں سرد سرد آہیں ہیں
کیا یہی محبت ہے پیار کی یہ بستی ہے
یہ خدا نہیں میرا وہ صنم نہیں میرا
کیا نماز عشق ہے کیا وہ بت پرستی ہے
میر کارواں ہو تم میں غبار منزل ہوں
کیسی یہ بلندی ہے اونچ ہے نہ پستی ہے
ان حسین راہوں میں قافلے بھٹکتے ہیں
زندگی گراں مایہ موت کتنی سستی ہے



دل مرا گلشن تھا صحرا کر دیا
ہائے کس ظالم نے ویران کر دیا

زندگی بہکا ہوا سا خواب ہے
تو نے یہہ کیا نامہربان کر دیا

سوزِ دل کی یوں خلش بڑھتی رہی
زخم کو خارِ مغیلان کر دیا

وسعتِ ارض و سماں بھی تنگ ہے
زندگی کو تنگ داماں کر دیا

توڑ کر اخلاص کی ساری حدیں
رنج و غم میرا نگہباں کر دیا

روشنی بھی دن کی راس آتی نہیں
شام کو شامِ غریباں کر دیا

خالی خالی سا مرا دستِ سوال
دیدۂ حیراں کو حیراں کر دیا

ناامیدی کی کبھی عادت نہ تھی
مایوسی کو جزو ایماں کر دیا

سب عدو اپنے ہی اپنے ہو گئے
زلفِ ہستی کو پریشاں کر دیا
زندگی کو بحرِ ناپیدا کنار
دل کو اک شہرِ خموشاں کر دیا
عقل کو دیوانگی راس آ گئی
حسرتوں کو حشر ساماں کر دیا
وحشتوں کو نیند سی آنے لگی
درد کو تم نے رگِ جاں کر دیا



طوفاں نئے نئے ہیں کنارے نئے نئے
ملتے ہیں زندگی کو سہارے نئے نئے
ساقی شراب شوق یہ مستی یہ میکدہ
کرتا ہے چھپ کے کوئی اشارے نئے نئے
کچھ دور اور گردشِ تقدیر سے نکل
جی چاہتا ہے اور نظارے نئے نئے
وہ دور ٹمٹماتے ستاروں کا ختم ہے
آکاش نویہ کچھ ہیں ستارے نئے نئے
اے دوست جل رہا ہے کہیں شہرِ آرزو کچھ یوں سلگ اٹھے ہیں شرارے نئے نئے



تک تک کے سحر کی راہوں کو شب بھر کے تارے ڈوب گئے
پو پھٹنے سے پہلے کتنے ہی دل درد کے مارے ڈوب گئے

دم بھر کو لگی تھی آنکھ ذرا جب صبح ہوئی یہہ عالم تھا
کچھ قافلے والے اہل جنوں منزل کے کنارے ڈوب گئے

مدہوشی رنداں مت پوچھو ساغر و صراحی توڑ دیا
مدہوش تھے جو وہ جاگ گئے اور ہوش کے مارے ڈوب گئے

لے ڈوبی ہیں غم کی برساتیں احساس خوشی و غم دونوں
اشکوں کا تلاطم باقی ہے آہوں کے شرارے ڈوب گئے

دریا میں سفینہ کھینے نکلے کچھ اہل ہنر کچھ اہل خرد
یہہ سب کے سب ہی تیر گئے وہ سارے کے سارے ڈوب گئے



اب دست دعا ہے نہ ہی تاثیر دعا ہے
ٹوٹی ہوئی امید میں اب رکھا بھی کیا ہے
سہما ہوا جھجکا ہوا کھویا ہوا عالم
کیا سمجھوں محبت کی فنا ہے کہ بقا ہے
ٹوٹے نہ کہیں سلسلۂ تار نظر اب
لگتا ہے اے ظالم تری آنکھوں میں شفا ہے
سنتے ہیں کہ وہ جذبِ محبت نہیں باقی
کس جنس کا دنیا میں ابھی نام وفا ہے
جلتی ہوئی گلیوں میں بھٹکتے ہوئے راہی
منزل کا نشان ہے نہ ہی نقش کف پا ہے
قسمت کا گلہ ہے نہ ہی حالات کا ماتم
جو قصۂ غم ہے وہ ستاروں سے سنا ہے
کیا جانیے کس منزلِ امید میں گم ہوں
کم کم سی مرے دل کے دھڑکنے کی صدا ہے
تحسین عقیدت کی ہے یہ راہ نمائی
دنیا میں نہیں جس کا کوئی اس کا خدا ہے



ہر لحظہ منقلب ہیں زمانے کی کروٹیں
پر مجھ کو تیری آرزو آنکھوں کو پیاس ہے

شعلہ نہیں سپاہ نہیں خنجر و بر نہیں
طوفاں بدوش دل میرا ساحل شناس ہے

وحشت نہیں جنوں نہیں سودا نہیں مجھے
پھر بھی نہ جانے دل یہ مرا کیوں اداس ہے

ساقی تری عنایت پیہم کا شکریہ
اک موج مضطرب کو سرابوں کا پاس ہے

بھٹکا ہوا ہے گوچہ امیدوں کا کارواں
ہر اک قدم پہ اک نئی منزل کی آس ہے

جل جل کے خاک ہو گئے پروانۂ خرد
دیوانگی بھی دیکھئے کب مجھ کو راس ہے

سارے اجالے جیسے دھندلکوں میں کھو گئے
"اک شمع جل رہی ہے سو وہ بھی اداس ہے"



فریب گردش شام و سحر کی بات نہ کر
غم حیات سے پہلے سحر کی بات نہ کر

قتیل جور ہوں لطف و کرم کی بات نہ کر
مرے ندیم مرے ہمسفر کی بات نہ کر

میں رو رہی ہوں زمانے کی آنکھ سے بچ کر
گداز لذت سوز جگر کی بات نہ کر

ملا ملا نہ ملا اس کے آستانے سے
دعا کو ہاتھ اٹھے ہیں اثر کی بات نہ کر

ہر ایک گام پہ سمجھیں کہ زندگی کیا ہے
جو پیچھے رہ گئی اس رہگذار کی بات نہ کر

بہ قدر ذوق نگاہوں کو کب ملے جلوے
جہاں میں تو کسی اہل نظر کی بات نہ کر



وہ میرے نزدیک آ کر رہ گئے
سارے غم پھر مسکرا کر رہ گئے

اشک آنکھوں میں تھے حرفِ مدعا
ان کے دامن میں چھپا کر رہ گئے

زندگی جب ہو گئی تفسیرِ خواب
ان سے ہم دامن بچا کر رہ گئے

کس نے کی ہے آج غمخواری مری
داغِ دل پھر مسکرا کر رہ گئے

چھپ رہے ہیں وہ سہانی یاد میں
اور ہم کہ ان کو پا کر رہ گئے

وہ تمنا کا بھرم کہ وقت پہ
دل کی دھڑکن آزما کر رہ گئے

مٹ گئے جب ہم خوشی کے نام پہ
غم کو سینے سے لگا کر رہ گئے

زندگی تھی چند دن کی زندگی
چند قدم آگے بڑھا کر رہ گئے

دو فریبِ آرزو میں کٹ گئے
دو فریبِ زیست کھا کر رہ گئے



بجھ رہی ہے جیسے شمعِ انجمن
ٹوٹ جائے گی کمند

رنج و غم کی جلوہ گاہ نازنیں
جیسے مردہ زندگی اوڑھے کفن

ایک مسافر زیست کا ہارا ہوا
خالی خالی سی نگاہوں میں تھکن

ایک اک آنسو حوادث کا ثبوت
چھن چکا ہے زندگی کا بانکپن

دل نوازی دلبری کچھ بھی نہیں
زندگانی جیسے اک اجڑی دلہن

کوئی آنچل کوئی دامن کچھ نہیں
دھوپ غم کی ہے کڑی سایہ نگن

آتی جاتی چھاؤں ہے اک زندگی
اک خلش ہے درد و غم کی اک چبھن



آہ ہو جائے اثر ایسی دعا کونسی ہے
"قوم کو جس سے شفا ہو وہ دوا کونسی ہے"
کاش بتلاؤ تو جی لیں یہ گرفتار وفا
منزل حد نظر صبر و رضا کونسی ہے
دست گلچیں نے مٹا ڈالے نشیمن لاکھوں
ہم یہی کہتے رہے تیری ادا کونسی ہے
اک نئے رنگ میں، وحشی ترے اٹھے ہیں امیر
کاش پوچھو کہ گلستان کی ہوا کونسی ہے
دل وہ تھامے ہوئے آتے ہیں ہماری جانب
خیر ہو ان کے تڑپنے کی ادا کونسی ہے

دو شعر ________

اے وحشت دل چھوٹ نہ جائے ترا دامن
بیتاب نگاہوں کا اثر دیکھ رہی ہوں
ساقی کی نظر لے کے مجھے ڈوب رہی ہے
اک خواب کا عالم ہے جدھر دیکھ رہی ہوں



ان سے کہنا غمی ہیں قلب و نظر
اے صبا تو اگر ادھر جائے

زندگی کا ثبوت ملتا ہے
گردش وقت کیوں ٹھہر جائے

زندگی موت بھی ہے نغمہ بھی
تو جدھر جائے یہہ ادھر جائے

ان سے کہدو کہ موند لیں آنکھیں
میری حالت پہ جب نظر جائے

ابتدا ہے نہ انتہا معلوم
دل کے ہاتھوں کوئی نہ مر جائے

میری بربادیوں پہ وہ خوش ہیں
آرزو میری بے اثر جائے

موج اس کی سفینہ اس کا ہے
منزلوں سے بھی جو گزر جائے

میری آنکھوں میں میکدے نہ سہی
ابرو یاراں ہی کام کر جائے

ہم تو کانٹوں پہ جان دیتے ہیں
دامن ان کا گلوں سے بھر جائے

آپ اقبال جرم کیوں کر لیں
یہہ بلا حسن ہی کے سر جائے

ہم تو دامن جھٹک کے اٹھتے ہیں
لے خودی کام خود ہی کر جائے

زلف ہستی بکھرنے دو تحسین
زلف گیتی اگر سنوار جائے



جو جان سے پیارا تھا ہم کو ہم وہ غمِ جاناں بھول گئے
جو دردِ شریکِ خار رہا اس درد کا درماں بھول گئے
وہ شوخ ادائیں بھول گئے وہ چشمِ غزالاں بھول گئے
اک زیست کا عنواں یاد رہا اور سینکڑوں عنواں بھول گئے
چھٹ کر بھی اسیرِ زنداں کو احساس نہیں ہے گلشن کا
خوگر یہ ہوئے ہیں زنداں کے یا سیرِ گلستاں بھول گئے
کل تک جو چمن میں ہم ہی تھے گلچیں کی شکایت کرتے تھے
جینے کا قرینہ ہم ہی اب اے ساقیٔ دوراں بھول گئے
وہ شب کی سیاہی چھٹ تو گئی قسمت کی سیاہی باقی ہے
آغازِ بہاراں یاد رہا انجامِ بہاراں بھول گئے

ایک شعر

آجاؤ تم بھی پاس کہ ہے میکدے کی شام
یوں ساغرِ حیات اکیلے پیا نہ جائے



ان اندھیروں کی سیاست ہے سحر ہونے تک
زندگی موت سہی رشکِ قمر ہونے تک

آبلہ پا ہیں غمِ دل کی کٹیلی راہیں
راہیں ڈستی ہیں تری راہگذر ہونے تک

جانے کیا رنگ ہوا اس دشت کے گھر ہونے تک
اک تمنا کو جواں بارِ دگر ہونے تک

وہ نہ آئیں تو سوالِ غمِ فردا بھی نہیں
جلوے پابند ہیں پابندِ نظر ہونے تک

کوئی آیا بھی تھا شاید کہ مری محفل میں
اٹھ گیا بزم سے تسکین نظر ہونے تک

زندگی راس بھی آئے گی کبھی اے تحسین
مرحلے کم سہی انساں کے بشر ہونے تک



تیری خوشیوں کے لئے راحت دل بھی نہ لیا
تو بتا دے کہ وفاؤں میں وفا کونسی ہے

میکدہ لوٹ لیا لوٹنے والوں نے تو
ہم یہہ کہتے ہی رہے تیری رضا کونسی ہے

موت بھی راس نہیں آئی ستم کیشوں کو
درد کو جس سے شفا ہو وہ دوا کونسی ہے

زندگی شمع سحر ہے کہ بجھی جاتی ہے
جھلملا جائے کوئی دم وہ ہوا کونسی ہے

لب دریا نہیں ڈوبے لب ساحل ڈوبے
کیا پتہ مصلحت رنگ قضا کونسی ہے

جی لئے جیتے ہیں ہم رنگ زمانہ ہو کر
کیا خبر بندگی صبر و رضا کونسی ہے

تیر منفس کے سہے دل پہ یہہ بیکس تحسین
اس نے چھوڑی ہے جو طرز جفا کونسی ہے



آپ کے لطف وعنایات کی یاد آتی ہے
رنگ میں ڈوبی وہ ہر بات کی یاد آتی ہے

لب پہ آتی ہے فغاں بن کے دہائی میرے
جب مجھے فرسودہ روایات کی یاد آتی ہے

چشمِ غماز کا ٹکرا کے الگ ہو جانا
اِن سوالات وجوابات کی یاد آتی ہے

شوخ جذبات کے آغاز کی یاد آتی ہے
ایک انجان ملاقات کی یاد آتی ہے

دل کا ہر گام دھڑک کر وہ دہائی دینا
کیسے معصوم حجابات کی یاد آتی ہے

وہ امنگوں کی جوانی کا زمانہ تو یہ اس حسیں چاند حسین رات کی یاد آتی ہے



لب پہ شکوہ بھی نہیں حرف تمنا بھی نہیں
بھول جاؤں میں تمہیں دل کو گوارہ بھی نہیں

کیوں تکلف ہے میری بزم میں آنے کے لئے
ویسے آجاؤ کوئی آپ سے پردہ بھی نہیں

کس سے پوچھوں کہ کہاں ہے وہ بہار گلشن
کہیں محفل میں کوئی آپ کا چرچا بھی نہیں

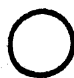
سینکڑوں مرتے ہیں اک چشم کرم کی خاطر
لطف تو یہہ ہے کہ انداز مسیحا بھی نہیں

خوف رسوائی ارے کاش برا ہو تیرا
کبھی جی بھر کے انھیں ہم نے تو دیکھا بھی نہیں

خواب سی کیوں نظر آتی ہے عنایت ان کی
دل نے چاہا نہیں ان کو کبھی ایسا بھی نہیں

یہہ محبت ہے یہاں کفر ہے غفلت کی دلیل
کوئی کعبہ یہہ نہیں کوئی کلیسا بھی نہیں

کس قدر ڈھونگ ہے انداز محبت تحسین
کہ محبت بھی نہیں اور تماشہ بھی نہیں



اس بھری بزم میں تنہائی سی تنہائی ہے
جیسے ہر بات میں ٹھہراؤ ہے یکتائی ہے

بےخودی میں وہ چلے آئے ہیں میخانے میں
ہوش آیا ہے نہ جانے کی قسم کھائی ہے

دل تو ہر رنگ میں ویرانہ سا دیرانہ ہے
کون کہتا ہے کہ خوشیوں کا تمنائی ہے

آپ نے جیسے نوازش کی قسم کھائی ہے
بات کیا ہے کہ یہہ انداز شکیبائی ہے

بک گیا دل تو وفاؤں کے صلے میں تحسین
کون جانے کہ یہہ عظمت ہے کہ رسوائی ہے



تمنا تھی کہ رشکِ خلد دیکھیں اپنی دنیا کو
نہ غم اپنا ہمر منزل نہ ہی وہ سرخوشی اپنی

اندھیرے اپنی قسمت ہیں کہ یا ہم ان کی قسمت ہیں
کبھی یہہ ظلمتیں اپنی کبھی یہہ تیرگی اپنی

جلا دی ہم نے گوہر جان کر پتھر کے ٹکڑے کو
بھلا دو کورِ باطن کو نہیں یہہ دوستی اپنی

مری ہر اک تمنا ان پہ یوں قربان ہو جائی
کہ وہ ساحل پہ ہوتے اور کشتی ڈوبتی اپنی

سلامت مئے پرستی کی تمنا جذبۂ پیہم
ہمارا میکدہ اپنا ہماری مئے کشی اپنی



چمن کی فضاؤں میں غم دیکھتے ہیں
بہاروں کے دامن کو نم دیکھتے ہیں

وہ بے تاب روحیں حسیں پیکروں میں
قفس سے چمن تک ارم دیکھتے ہیں

اس اٹھتی ہوئی موجِ صبحِ چمن سے
تبسم گلوں کو بہم دیکھتے ہیں

یہ فرق رند تو ہے واعظ میں مجھ میں
مکافاتِ دیر و حرم دیکھتے ہیں

کہاں دشمنی ہے کہاں دوستی ہے
زمانے کی نظروں کو کم دیکھتے ہیں

غبارِ رہِ کارواں بن کے گم ہیں
وہ منزل کی جانب جو کم دیکھتے ہیں

بہت لیکے اُٹھے ہیں عزمِ جواں وہ
جدھر دیکھئے چشم نم دیکھتے ہیں

پشیمانیاں ان کی منزل بہ منزل
انھیں بزم میں چشم نم دیکھتے ہیں

نئی اک ادا سے وہاں لڑکھڑائے
جہاں لغزشوں کا بھرم دیکھتے ہیں



رونق بزم رہے ہم ہی زمانے بھر میں
رنگ کیا لائے گی اب طرزِ سخن میرے بعد

تیرے افسانے سے آباد تھے یہ ویرانے
سونے ہو جائیں گے یہ دشت و دمن میرے بعد

کیسے برگشتہ نظر آتے ہیں اہلِ گلشن
جیسے بجھ جائیں گے خورشید چمن میرے بعد

زخم مہکے ہیں تو پھولوں پہ نکھار آیا ہے
اور کچھ نکھرے گا اندازِ چمن میرے بعد

میرے مٹنے سے بدل جائے گا غم کا عنواں
سینکڑوں ہوں گے یہاں غنچہ دہن میرے بعد

نکہتیں گل سے اڑی جاتی ہیں شبنم کی طرح
خار ہو جائیں گے کیا؟ رشکِ چمن میرے بعد

آپ کے ظلم سے اٹھے گی نہیں رسمِ جفا
ختم ہو جائے گا الفت کا چلن میرے بعد

میرا افسانہ ترے نام کے ساتھ آئے گا
یاد رکھیں گے مجھے اہلِ وطن میرے بعد

پوچھتے ہیں وہ بھری بزم میں ہم سے تحسین
کون فرمائے گا پھر شرحِ چمن میرے بعد



آپ کیا سعیِ کرم بھی نہیں فرمائیں گے
ٹھیک ہے ہم تو بہر حال بہل جائیں گے

آج مانا کہ ہیں بیگانہ وحشی پر مائل
پُرشش غم کے بھی اسباب نکل آئیں گے

غم کی ہر بات سویرے کے نکلنے تک ہے
سب اندھیرے صبحِ انوار میں ڈھل جائیں گے

ہم تو بیچارگیٔ زیست سے عاجز ہیں اب
آپ کہتے ہیں تو کچھ اور بہل جائیں گے

نبضِ ہستی میں بہت سست ہے رفتارِ اصول
ہم جو چاہیں تو یہ اطوار بدل جائیں گے

ایک شعر

نیم وا نرگس کا منظر بھی ہے کتنا دل نشیں
ایک دوشیزہ کی آنکھیں جیسے ہوں کچھ شرمگیں



اک چشمِ التفات کی اتنی سی بات ہے — کانٹا سا دل میں ٹوٹ گیا اور نکل گیا

ترغیبِ خلد دے نہ اے واعظ خدا گواہ — جنت وہی جگہ ہے جہاں دل بہل گیا

الزامِ بیخودی لیے پھرتا ہے باغباں — کانٹوں کے حوصلوں سے گلستاں نکل گیا

ناصح نظر تمہاری رہی مرا کیا رہا — وہ دیدہ اک نگاہ سے مرا غم بہل گیا

کس موڑ پہ وہ گردشِ دوراں رکی رہی — کس کی نگاہِ شوق پہ کب دل مچل گیا

ساقی نے کیا پلائی کہ ہر دل مچل گیا — ہر اک بلاکشانِ تمنا بہل گیا

جسم اک نفس کی بات رہی زندگی کی بات — وہ لمحۂ حیات بھی آ کر نکل گیا

غم چارہ گر ہے حسنِ مزاجِ شعور کا — جب سے غم و بہار کا عنواں بدل گیا

تحسین خیالِ سازشِ ذوقِ نظر سہی — جادۂ کمالِ ذوقِ نظر پہ وہ چل گیا



وہ حسیں جانِ تمنا کی جواں رات بھی ہے — آپ آ جائیں جو ایسے میں کوئی بات بھی ہے

ایک طرف تشنہ لبی اپنی قسم کھاتی ہے — اک طرف آپ سے تجدیدِ ملاقات بھی ہے

کس کی روداد ہے کیا جانے کوئی دیوانہ — محفلِ شعر میں یہ حسنِ خیالات بھی ہے

وہ چلے آئے ہیں بیداد و کرم کی خاطر — کیونکہ تکمیلِ وفا آج روایات بھی ہے

کون کرتا ہے اے تحسین کرم کی باتیں — آنکھ ملتے ہی کسے ربطِ سوالات بھی ہے



اے بادِ صبا کہہ دے ذرا ابرِ خزاں سے
اٹھا ہے تو پر سے کہیں کچھ دور ہی جا کے

مدت میں جمع میں نے کئے چار ہیں تنکے
ظالم نہ نشیمن پہ تڑپ ایسی ادا سے

اک تجھ پہ ہی موقوف نہیں اے دلِ مضطر
گلشن میں ہوا چلتی ہے اک ان کی رضا سے

اب کون یہ سمجھائے کہ ہے رسمِ جفا یہ
اٹھے ہیں وہ اس بزم سے کچھ ایسی ادا سے

ساقی کی عنایت ہے کہ بیگانہ وحشی ہے
بے چین فضاؤں میں دیا چھوڑ جو لا کے

ہر حال میں ہر درد کا درماں ہے اے تحسین
کچھ پہلو نکل آتے ہیں تسلیم و رضا کے

دو شعر

تشنگی وہ گداز ہو جائے — محرمِ سوز و ساز ہو جائے
شعلۂ تشنگی بہ حسن و عمل — رنگ فیض و مجاز ہو جائے



ہے میری داستاں مجھ کو ہے دعویٰ زباں دانی
زمانہ کیا سنائے گا مری ہی داستاں مجھ کو

ابھی تڑپوں تو شاید راس آجائے جنوں میرا
ابھی کچھ اور تڑپا دے مرے دردِ نہاں مجھ کو

ہزاروں منزلیں ابھریں مری اک عزمِ محکم سے
ابھی رہبر سمجھتا ہے غبارِ کارواں مجھ کو

سنا دوں داستان اپنی بہ انداز تشکر بھی
ذرا اذن تکلم دے اے میرے پاسباں مجھکو

بتادوں ذلت پر ہوں جہرباں کہ کوئی ذرہ ہوں
کہ یہہ چیلنج کرتی ہیں چمن کی قمریاں مجھکو

مزہ جب ہے مرے ساقی وفا کی بات رہ جائے
نہ کر آمادہ تحمل رہیں امتحاں مجھکو

میرے دست تخیل میں ہر اک شئے میری اپنی ہے
میں سمجھوں ہم زباں اس کو وہ سمجھے جہرباں مجھکو

مقدر چیز ہی کیا ہے مگر محسوس ہوتا ہے
شکایت ہے مقدر سے کہ لے آیا کہاں مجھکو

مٹی جاتی ہوں ہمرنگ چمن ہوں آج اے تحسین
ابھی گلچیں سمجھتا ہے چمن میں باغباں مجھکو



دل کو ہے آرزو مرے اشکِ رواں سے دور
اوجِ شفق سے دور کہیں کہکشاں سے دور

تیری زمیں سے انبوہِ بیچارگاں سے دور
منزل مری ہو وسعتِ کون و مکاں سے دور

منزل وہی ہے اب بھی مرے کارواں سے دور
بجلی چمک رہی ہے مرے آشیاں سے دور

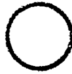
اے جوشِ تشنہ لب تو مچل موجِ آب میں
یہ کیا کہ چل رہی ہوں میں سیلِ رواں سے دور

رنگِ حیات بن کے نکھر جائے گی حیات
روکی گئی بہار اگر گلستاں سے دور

حالِ دلِ حزیں کو نہ یوں ہم سے پوچھئے
روتا رہا ہے اور ہے آہ فغاں سے دور

ان کا گمان ہم سے رہا نا گزیر سا
ہم مہرباں وہی رہے نامہرباں سے دور

تحسینؔ کے لب پہ نیم تبسم رہا ہنوز
اور آشنا نہیں کوئی دردِ نہاں سے دور



شب غم کی سحر نہیں ہوتی — رات کیوں مختصر نہیں ہوتی
رات کے بعد صبح برحق ہے — ہوتی ہے پر ادھر نہیں ہوتی
مٹ رہے ہیں حیات کے ہاتھوں — زندگی بارور نہیں ہوتی
قسمت عشق میں اندھیرے ہیں — صبح نوکس کے گھر نہیں ہوتی
حسرت عشق سجدہ گاہ حبیب — یہ کبھی در بدر نہیں ہوتی
موت بیمار کی مسیحا ہے — زندگی چارہ گر نہیں ہوتی
عشق صادق میں اے مرے ہمدم — چاندنی ہمسفر نہیں ہوتی
زحمتِ انتظار کی لذت — کس قدر چارہ گر نہیں ہوتی

آنچ دیتی ہے دل کی ہر دھڑکن
باعثِ شور و شر نہیں ہوتی

ایک شعر

غنچے کچھ ہنستے رہے کچھ پھول مرجھاتے رہے
بے ثباتی کا وہ تحسین راز سمجھاتے رہے



کچھ یوں نیاز و ناز سے خوشیوں سے ہم ملے
ہر سمت اس نگاہ کے قول و قسم سے ملے

کیا مل سکے گا غم کی کڑی دھوپ کے سوا
بیگانہ حیات سے تم اے صنم ملے

لے کر چلے تھے انجمن دل بساط پر
بے تابیوں سے کہدو کہ ہم چشم نم ملے

تکرار موت و زیست سے ہے تو خجل خجل
کیا بات راہ میں نہ اگر پیچ و خم ملے

فطرت کی نبض کو بھی ٹٹولا ہے آپ نے
ہر اک قدم پہ آپ کے جھوٹے بھرم سے ملے

دل سے لگا لیا کہیں آنکھوں سے چوم لی
وہ سجدہ گاہ شوق جہاں تم سے ہم ملے

دست طلب بڑھا کے کوئی کہہ رہا ہے یوں
نقش حیات و موت کے ہر جا بہم ملے

غم کی گھنیری شام گلے سے لگائی ہے
جلوے تمہارے جب بھی ہمیں کم سے کم ہے

تحسین آج اور ابھی اب کی بات ہے
اپنے کرم کے ساتھ ہی ان کے ستم ملے



لاکھ الجھا کئے کانٹے تو گریبانوں سے
دامن صبر نہ چھوٹا کبھی دیوانوں سے

مل بھی جاؤ کہ تمنا کا بھرم رہ جائے
کوئی کہدے تو ذرا سوختہ سامانوں سے

اے مرے عزم سفر اور بھی کچھ تیز تو چل
فاصلہ اب بھی ہے کچھ دور شبستانوں سے

کیا دیا آپ نے اس دشت کی ویرانی کو
کاش پوچھے کوئی گلشن کے نگہبانوں سے

رنگ گل نذر خزاں ہو تو بہار آتی ہے
کل صبا کہہ گئی گلشن میں یہ دیوانوں سے

سوگ تھا بزم میں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا
وہ جو قلقل کی صدا اٹھی تھی میخانوں سے

چاک دل چاک جگر چاک گریباں تحسین
حال دل کون کہے اپنے مہربانوں سے



میری افسردہ نگاہی سے عیاں ہے خورشید
نہیں سیماب طبیعت کو گوارہ تجدید

آپ کو مجھ سے گلہ لذت بے داد تو تھی
آپ نے میری قسم کھا کے یہہ کیوں کی تردید

دلِ دیوانہ تڑپ اور تڑپ اور مچل
تیری افتادِ طبیعت ہے خرد کی تجدید

اتنا مایوس نہ کر اے دلِ مضطر مجھکو
کاش کہدے تو ذرا ہے یہہ جنوں کی تمہید

رمزِ ایماں بخدا مجھکو سمجھنے دیجئے
شیخ جی آپ جو فرمائیں تو ہوگی تاکید



رہیں مطرب و ساقی ہے ظلمت شب بھی
سکوت بزم ہے گردش میں جام کہتے ہیں

زبان ہے بند اسے اذن عام کہتے ہیں
کھلیں نہ پھول اسے انتظام کہتے ہیں

یہ اک فریب تصور ہے یا کمال ہنر
فسونِ شب کو وہ ماہ تمام کہتے ہیں

بہار آئی چمن میں کہ برق لہرائی!
نہ جانے کیا یہ مرے صبح و شام کہتے ہیں

درِ حبیب ہے ہم ہیں حصول سجدہ ہے
کبھی تمام کبھی ناتمام کہتے ہیں



میرے ان نین کٹوروں میں نہ تم لہراؤ
میرے گالوں کے شہابوں ہی میں تم مسکاؤ

کسک زخم کہیں صورت بے داد کہیں
یاد آؤ تو سب مجھے آتے بہت یاد آؤ

عشق کی بات ہر لحظہ مٹانے والو
شمع ہستی ہی کو اک بار بجھاتے جاؤ

ڈوب جاؤ نہ کنارے کی تمنا کیجو
درد کی چھاؤں میں ایسے نہ ہمیں ستاؤ

کیا بجھائیں گے فریب رہ باطل کے فسوں
اک دیا آندھی میں تم اور جلا تو لاؤ

ان جھلکتی ہوئی صبحوں کی تسلّی بن کر
ان خرافات اندھیروں پہ کرم فرماؤ

ان کا کعبہ یہ نہیں ان کا کلیسا یہ نہیں
دل کی دنیا ہے مری شوق سے آؤ جاؤ

آج بہتر ہے یہ فرہاد کی خاراشکنی سے
زخم کی طرح گلستاں میں مہکتے جاؤ

حسن کے شعلوں نے جلائی ہو تمہاری ہستی
مثل پروانہ اسی شمع پہ مرتے جاؤ

ذرّے ذرّے کو ہو احساس ندامت تحسین
وسعت ہستی صحرا میں بکھرتے جاؤ



ساز احساس کے تاروں کو نہ چھیڑا کیجئے
محفل نیم شبی کو نہ مری گرماؤ

گیت بنتی رہوں بے خواب نظاروں کے لئے
یہ ستم ہے کہ ستم ڈھا کے نہ تم پچھتاؤ

چھین لوں بڑھ کے زمانے سے غلط اس کا چلن
طاقت ذہن رسا میری مجھے لوٹا دو

چاک کردوں میں ابھی جھوٹ و جہالت کی قبا
ان عزائم کو نہ لوٹو گے قسم تو کھاؤ

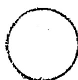
ہر قدم پر نہ کریں اس طرح تذلیل حیات
اپنی دھرتی کے خداؤں کو کوئی سمجھاؤ

جھوٹ کے عقدۂ مشکل کو کرو کچھ آساں
سبز کھیتی پہ قہر بن کے برستے جاؤ

تم ہی جیسوں نے تو مریم کو کیا ہے رسوا
تم ہی نادانوں نے سیتا کے لگائے گھاؤ

زندگی کے لئے زخموں کی پرستش کیجئے
غیرت اہل نظر بن کے ابھی تڑپاؤ

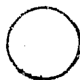
زخم دل کو ہے ابھی تلخیٔ دوراں کی تلاش
کوئی الزام نیا اور ابھی لے آؤ



جب محبت کی دلوں میں کارفرمائی نہ تھی
آنکھ یوں اٹھتی تھی گویا اس میں بینائی نہ تھی
کیوں کہوں اس دل کو غم میں بھی شکیبائی نہ تھی
درد تھا دل میں مگر لذت ابھی پائی نہ تھی
ہر طرح کی بندشوں سے جب کہ ہم آزاد تھے
وہ بھی کیا دن تھے کہ جب دل میں حیا آئی نہ تھی
یوں نہ تھی بے تاب سجدوں کے لئے اپنی جبیں
دردِ دل سے واسطہ غم سے شناسائی نہ تھی
مئے پرستی چھوڑنے کا تو ارادہ تھا مگر
بات یہہ اس وقت کی ہے جب گھٹا چھائی نہ تھی
جب کہ حسن و عشق کی باہم شناسائی نہ تھی
چاند گو نکلا ہوا تھا پر ضیاء آئی نہ تھی

ایک شعر

یوں نہیں چلتا ہے ان پر پیچ راہوں پر کوئی
جیسے دوشیزہ چلتے عاشق کی باہوں میں کوئی



ڈولی جو کمند آ کے لبِ بام تو کیا ہے
باندھیں گے نئے سر سے نیا رختِ سفر اور

ٹھوکر میں عزائم کے ہیں طوفان و تلاطم
رکھتے ہیں یہاں برقِ شرر اپنا اثر اور

ہر گام سے آگے ہے مری حدِ نظر اور
ہر عزم سے پیدا ہیں نئے شام و سحر اور

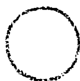
دونوں میں کہاں ایک ہوس اور محبت
سرمایۂ دل اور ہے طوفانِ نظر اور

گر غم نہ ہو تکمیل تمنا نہیں ہوتی
لائیں گے تڑپنے کو نیا دردِ جگر اور

کیا ربط ہے اس بزمِ سخن سے تجھے تحسین
منزل ہے تری اور ترا ذوقِ سفر اور



ہے سلامت ان کا دامن بے خودیٔ شوق میں
اہلِ دل اہلِ خرد کو کون دیوانہ کہے
میں کہوں گی دل کی عظمت اس کے دل ہونے میں ہے
کوئی بت خانہ کہے کوئی صنم خانہ کہے
کیا ہوئے وہ میکدے میں ساغر و صہبا کے دن
رند ساقی سے ذرا اب حالِ مئے خانہ کہے
زندگی ساغر بدست ہے ان نگاہوں کی قسم
کیسے ہر اہلِ طلب کو شمع پروانہ کہے
زندگی دل بھی ہے اب دلدار بھی دیدار بھی
ذکرِ گل ساقی کرے اب حالِ پیمانہ کہے
بڑھ گئے ہیں اور کچھ غم اور خوشی میں فاصلے
شامِ غم کہدے کوئی تو صبح ویرانہ کہے
چھیڑ دو تم اب دلِ غم کے ہر اک مضراب کو
کہدو اب راوی سے غم کا میرے افسانہ کہے
وہ ستم کش وہ جفا جو صورتِ بیدادگر
میرے ضبطِ غم کو شاید جشنِ پیمانہ کہے
مل ہی جائے گا کہیں تو زندگی کو بانکپن
کون تحسین اپنے غم کا ان سے افسانہ کہے



جبیں شوق میں میری کئی سجدے تڑپتے ہیں
نہ پایا آستاں تیرا نہ کی ہے بندگی میں نے
بڑی مشکل سے پایا تھا سراغ منزل ہستی
کہا منزل نے ٹھکرا کر نہ کی ہے دل لگی میں نے
بہت ارزاں ہے اس بازار حسن و وفا شاید
عطا کی دوستی میں نے خریدی دشمنی میں نے
زمانہ لوٹ کر گزرا رہا خوشیوں کی لذت پہ
رمق بھر غم کے بدلے میں نہیں لی سرخوشی میں نے
کہاں تک ٹھوکریں کھائیں وہ فرد بے نوا آخر
غم ہستی سے گھبرا کر تمہیں آواز دی میں نے
مری بربادیوں پہ ہنس گئی ہر شئے حقارت سے
مگر کانٹوں پہ ہنس ہنس کر گزاری زندگی میں نے
یہ کیا کم ہے کہ غم سارا ہمارا اپنا ہے اے تحسین
ہزاروں ہوش سے کر بھی نہ چھوڑی بےخودی میں نے



ہزار بار بھی توہین آرزو کرتے
ترے بغیر نہ جینے کی آرزو کرتے

دلوں کی بات کو کیا ہم کسی سے کہہ دیتے
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

خلوصِ دل کی نہ توہین دیکھ سکتے ہم
ترے خلوص کی تصویر روبرو کرتے

تری نگاہ میں جذبِ وفا جو مل جاتا
نہ خلد میں بھی تمنائے خوبرو کرتے

سما کے دیکھتے دل و نظر میں ہم تیری
کہ خود کو تیری ہی تصویر ہو بہو کرتے

بہ دل ہے آج بھی تیرا ہی آئینہ خانہ
ترے بغیر بھی ہم تجھ سے گفتگو کرتے

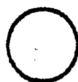
جو دل کو آرزو ہوتی تو غمزدہ دل سے
ترے لئے ہی تقاضائے جستجو کرتے

چمن میں غنچہ و گل کو وفا سکھا دیتے
تری جفا میں بھی پیدا وہ رنگ و بو کرتے

محبِ خدا ہے محبت نماز ہے تحسینؔ
شراب آنکھوں سے ٹپکے تو ہم وضو کرتے

ایک شعر

قفس کے پھونکنے کو آہ تھی فقط کافی
ہم اور حسرتِ برق و شرار کیا کرتے



ہر ایک چہرۂ فردِ دنیا لگے ہے مجھے
مرا رقیب مرا آشنا لگے ہے مجھے

سنا رہا ہے زمانہ فسانۂ فردا
ہر اک فسانہ مرا ماجرا لگے ہے مجھے

وہ چھا رہا ہے کچھ اس طرح سے خیالوں پر
رگوں میں خون دوڑتا لگے ہے مجھے

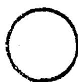
کبھی دعا میں کسی کی اثر نہیں دیکھا
تم اب بھی کوئی دیدے دعا لگے ہے مجھے

عجیب دور ہے فرعونیت کا عالم ہے
ہر ایک بندۂ زر اب خدا لگے ہے مجھے

جو زہر تم دو مجھے آج بھی گوارہ ہے
تمہارے ہاتھ سے آب بقا لگے ہے مجھے

جو تم کہو تو مری داستاں الگ تو نہیں
تمہاری بات مرا مدعا لگے ہے مجھے

قدم قدم ہے مرا زندگی سے بیگانہ
یہہ زندگی مری جیسے سزا لگے ہے مجھے



کون بدل سکتا ہے تقدیروں کی تحریریں
ٹھہرو کھینچ لینے دو بے رخی کی تصویریں

میری جذبِ فطرت نے لی اک اور انگڑائی
جب بھی تم نے عاید کیں تازہ مجھ پہ تعزیریں

امیدوں کے دامن میں انقلاب پلتے ہیں
ہم تو حوصلوں ہی سے بدلیں اپنی تقدیریں

جھوٹے ہیں سب افسانے سرخیوں سے کیا حاصل
عہد و پیماں ہوتے ہیں خونِ دل کی تحریریں

ہم ہیں موجِ لاپرواہ طوفاں ہیں ہم آندھی ہیں
بیٹھ قفس میں رہتے ہیں پاؤں میں ہیں زنجیریں

آفتابِ زندگی میرے غم سے روشن ہے
درد و غم کا حاصل ہیں زندگی کی تنویریں

زخمِ دل کے بھرنے تک کب بہاریں آتی ہیں
ہم نے کب یہ پائی ہیں بے وجہ کی توقیریں

بن مانگے کے خالی ہیں دستِ دعا زاہد کے
ہم تو اب بھی کہتے ہیں کام آتی ہیں تدبیریں

لاتے ہیں تحسین ہم نے سپنے دیکھے تھے
الٹی بھی تو ہوتی ہیں کچھ خوابوں کی تعبیریں



رنگ اڑ جائے گا ساقی ترے میخانوں سے
ہنس کے ہر تلخ کو ہم یوں بھی گوارا کر لیں

ہو لئے وہ اور جو مرتے رہے ساحل کے لئے
ہم تو ہر موج کو دریا کی کنارہ کر لیں

کتنے بے تاب نظارے ہیں سر طور ابھی
کہدو موسیٰ سے ذرا آکے نظارہ کر لیں

زندگی زندگی ہے آپ کی مرضی ہو اگر
بخش دیں موت بھی گر ہم کو گوارہ کر لیں

آج دیتی ہوئی برساتوں میں وہ یاد حسیں
یاد بن جاتی ہے ایسی کہ سہارا کر لیں

اشک آنکھوں میں ہمارے در نایاب سہی
پھر بھی کیوں غم ہی کو ہم اپنا سہارا کر لیں

زیست سے پیار ہے مر مر کے جئے جاتے ہیں
خضر کی عمر بھی ویسے نہ گوارہ کر لیں

کشتیٔ زیست کو تو ڈال دیا موجوں میں
کاش تحسین وہ ساحل سے نظارہ کر لیں



کچھ اس طرح خیال کے تم روبرو رہے
جیسے شباب و شعر کی محفل سجی رہی

تم نے تو زندگی کو کئی بانکپن دیے
تا ہم کہاں حیات کی دوشیزگی رہی

وہ میری کائنات پہ چھاتے چلے گئے
ناسوربن کے وقت کی بخیہ گری رہی

کیا کیا نہ طے کئے ہیں شب غم کے مرحلے
کیا کیا نہ زندگی سے مری دشمنی رہی

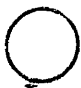
یوں ہی چراغ آرزو ہنس کر جلادیا!
ان کی نگاہ شوق جو ساغر بنی رہی

بجھتے ہوئے چراغ کہیں کہکشاں رہے
دھندلا سا اک غبار کہیں چاندنی رہی

ساقی ترے کرم سے شکایت نہیں مجھے
تونے بساط بھر دی مجھے تشنگی رہی

دل کو خرد نے لاکھ دہائی دی یوں مگر
ان کے خیال سے ہمیں وابستگی رہی

زخم حیات بن کے رہے زخم کائنات
تحسین سحر سے شام کی تابندگی رہی



سوزِ دل کو حاصلِ ارماں بنانا ہے تجھے
انتہائے یاس میں بھی مسکرانا ہے تجھے

ہاں نہ آنا پھر نہ آنا اب تصور میں مرے
"اے وفا نا آشنا اب بھول جانا ہے تجھے"

صرف ایثارِ تمنا ہی نہ ہو تیرا اصول
جلوہ خودداریٔ دل بھی دکھانا ہے تجھے

شکوۂ الفت نہیں ہے شیوۂ پاسِ وفا
جذبِ ایثارِ محبت بھی دکھانا ہے تجھے

دردِ الفت کس قدر ہے ان کے دل میں آج بھی
پردۂ غفلت میں رہ کر آزمانا ہے تجھے

ہر تمنا کو مٹا کر کے خونِ آرزو
لاکھ طوفانوں کی زد میں مسکرانا ہے تجھے



آدابِ محبت شرطِ وفا آئین زمانہ بھول گئے
جلووں کی نمائش عام نہ تھی ہم ان ہی سے پردہ بھول گئے

اے کاش کہو کہ کچھ تو کہو کچھ شرح بیانِ غم ہی کریں
وہ دل کا فسانہ کیا ہوگا جو عرضِ تمنا بھول گئے

چاہا تو بہت تھا ہم نے مگر لو چھین لگے تری تصویر سہی
کچھ ایسی شبِ غم بیت گئی ہم تجھ کو مسیحا بھول گئے

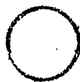
کہنے کو نظر کی بات سہی اک آہ بھی کی جو آگ لگی
وہ سینکڑوں دل وعدوں کا عالم اے جانِ تمنا بھول گئے

عادت تو نہیں تھی اپنی یہ بھول بھول یہ کیسی بھول رہا
گم ہو کے ہم ان کی نظروں میں خود ان کا نظارہ بھول گئے

طوفان میں تجھ کو بھی اے دل اندازہ طوفاں کیا ہوتا
موجوں نے بھی رستہ چھوڑ دیا ہم ہی وہ کنارا بھول گئے

اپنی یہ عبادت ہے زاہد کچھ صبر بھی ہے کچھ جبر بھی ہے
اشکوں کا تلاطم بھول گئے آہوں کا تقاضہ بھول گئے

کچھ کھوئے ہوئے کچھ پائے ہوئے اس بزم سے اٹھ کر آئے
کیا کہیے کہ کیا کیا یاد رہا کیا کہیے کہ کیا کیا بھول گئے



پوچھا تھا حسن کو ہم نے وہ اصنام کیا ہوئے
ان کی دعائیں کیا ہوئیں دشنام کیا ہوئے

مشام آرزو سے جھلکتے چمن چمن
پیہم پرتو حیات وہ گلفام کیا ہوئے

فیضِ حیات رکھتی تھی وہ جس مقام پر
اب اس مقامِ شوق کے سب نام کیا ہوئے

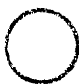
اچھی بہار سے تھی بہاروں کی بات ہی
وہ نامۂ بہار وہ پیغام کیا ہوئے

پھرنے چلا ہے جانب صحرا مجھے جنوں
صیاد نے بچھائے تھے جو دام کیا ہوئے

ویرانہ جلوہ جلوہ ہے صحرا نظر نظر
تحسین تمہارے بندۂ بے دام کیا ہوئے



میں کس سے جنگ کروں کس سے آشتی چاہوں
کہاں اپیل کروں کس سے منصفی چاہوں
نہیں ہے مجھ کو گوارہ جو زندگی مانگوں
سدا لبوں پہ لرزتے ہونٹوں پہ میں ہنسی چاہوں
کسے پکاروں نگاہِ کرم کی خاطر میں
خدا بناؤں کسے کس کی بندگی چاہوں
یہی بے خودی ہی بہت ہے مری خودی کے لئے
خوشی ملے نہ مجھے گر میں آگہی چاہوں
دل و نظر کی امانت ملیں وہ چند لمحے
میں جام توڑ دوں محفل میں تشنگی چاہوں
مرے خدا مجھے مجبور اس قدر تو نہ کر
ترے جہاں میں تنگ آکے خودکشی چاہوں
یہ میری بھول ہی ہوگی ادھورے خاکوں میں
اڑے اڑے ہوئے رنگوں میں دلکشی چاہوں
کہاں کی ریت ہے اپنوں کا یہ تقاضہ ہے
سیہ خانے میں اپنے نہ روشنی چاہوں



جب بھی بہلے ہیں ذرا رونے کے ساماں سے نکلے
اشک بن بن کے مری آنکھوں سے ارماں نکلے

کوئی ہمدم کوئی زخموں کا مسیحا نہ ملا
پھر یہاں گھر میں مرے خانہ بہ جہاں نکلے

ہم سمجھتے تھے اندھیرے ہیں نکلنے والے
حادثے کتنے چراغ تہہ داماں نکلے

لوگ کہتے تھے ہمیں ہم ہیں نصیبے والے
کس قدر ہم بھی یہاں بے سر و ساماں نکلے

عمر کٹ جاتی بہاروں کی پناہوں میں مگر
ہم بھی صیاد اسیر پس زنداں نکلے

مٹ گئے ان سے جدا ہو کے کھلا اب ہم پر
دور سمجھے تھے جنھیں پاس رگ جاں نکلے

زندگی تجھ کو بڑی دور سے دیکھا میں نے
سب کے سب خواب مرے خواب پریشاں نکلے

زندگی نام مرکب ہے کئی رنگوں کا
میرے افسانے کے ویسے کئی عنواں نکلے

ناز تھا اپنی دعاؤں پہ جنھیں اے تحسین
اس بھری بزم میں وہ لوگ بھی عریاں نکلے



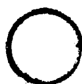
آنکھوں میں بسا لوں جسے وہ راز نہیں ہے
آنچل میں چھپا لوں کوئی دمساز نہیں ہے
لوٹا دے کوئی میرے وہ ایّام گذشتہ
ایسا ابھی دنیا میں وہ اعجاز نہیں ہے
عالم تھا نوا سنج کبھی شہر وفا میں
اب دور تلک کوئی بھی آواز نہیں ہے
کیوں چھپ گئے سب جلوۂ رنگین نظر سے
انجام ہے ہر بات کا آغاز نہیں ہے
یا ان کی جبیں ہو گئی بیگانۂ سجدہ
یا در یہ مرا سجدہ گہہ ناز نہیں ہے
اب دل کو کہاں ضد ہے کہ رہئے کہیں چل کر
کیوں اب یہ کوئی اور جہاں ساز نہیں ہے

ایک شعر

نہیں ہے سانس بھی لینا جو بس میں اے تحسین
ہم اپنی آہ سے پیدا شرار کیا کرتے



دل میں درد بے پناہ آنکھوں میں اشکوں کا ہجوم
آگئے ہیں لے کے ہم سوغات تیرے شہر میں
سنتے آئے تھے مسیحائی ہے تیرے شہر میں
ڈھونڈتے ہیں وہ دوا دن رات تیرے شہر میں
لے رہی ہے زندگی درد مسلسل سے خراج
دل جلوں نے دیکھ لی اوقات تیرے شہر میں
بٹتی ہے اخلاص کی سوغات تیری بزم میں
لٹتے ہیں غیروں کے احسانات تیرے شہر میں
دوست تیرا یہ خلوص بے کراں جہنم سا ہے
اجنبی سی لگتی ہے ہر بات تیرے شہر میں
دل کو بہلاتی نہیں ہے چاند کی رامش گری
آگ سی لگتی ہے اب برسات تیرے شہر میں
فصل گل آئے گی کب تک اس چمن میں لوٹ کر
کب یہ اجڑے محفل آفات تیرے شہر میں



جانے کیا سوچ کر ہنسے تھے کل — جانے کیوں آج آنکھ پرنم ہے
یوں ہوا کچھ تو یوں ہے یوں ہوگا — سو طرح سے صراحتِ غم ہے
کسے اپنا کہیں کسے بے درد — دل کی دنیا ہی آج برہم ہے
دل مرحوم کا ہے کیا رونا — یوں تو اپنی بھی زندگی کم ہے
رکے کس جا یہ گردشِ دوراں — آج تک انقلاب پیہم ہے
غم کی ہر بات دل میں چبھتی ہے — جیسے دنیا کا غم مرا غم ہے
جیسے جہاں جہاں میں رہتے ہیں — ہاتھ میں جام ہے نہ ہی جم ہے
اب وہ آئیں تو شوق سے آئیں — زندگی اک سکوتِ پیہم ہے
آپ کی غم نوازیوں کی قسم — زندگی اک تسلسلِ غم ہے
ان کو ٹھکرا دیا تھا کس ساعت — دل کا اب تک نظام برہم ہے
بجھ رہی ہیں حسین آنکھیں وہ — اور اپنا عجیب عالم ہے
نظریں اٹھتی ہیں نظریں جھکتی ہیں — جیسے دنیا ہی اک تلاطم ہے
نام الفت ہے رنج کی تفسیر — کس کو تحسین فرصتِ غم ہے

رہبری کی ادا نہ اپنا ئیں — رہبروں کی سلامتی کم ہے
کیا ستم یاد آگیا کوئی — شوخ آنکھوں میں کیوں تبسم ہے
راس آتا نہیں ہے ویرانہ — جیسے صحرا بھی خلوت غم ہے
بڑھ گئے کتنے قافلے والے — اپنی منزل تو پھر بھی مبہم ہے
کس قدر پرسکوں ہیں ہنگامے — غم نہیں ہے فسانۂ غم ہے
نام اس تلخ سی حقیقت کا — دار منصور ابن مریم ہے
تیرے ہر اک ستم پہ دیوانے — کہہ رہے ہیں کہ حسرت غم ہے
آپ آئے ہیں دردمندی کو — دل دیوانہ اب بھی برہم ہے
آپ آئے تو زندگی گائی — شام غم صبح نو کا عالم ہے

جائیے کیا کرم کریں گے آپ
ستم بے نیاز کیا کم ہے

تین شعر

کرم ہوگا تمہارا ذرا عنوان بن جاتا
نشیلا سا مرے دل کا کوئی ارمان بن جاتا

بہاریں ہی بہاریں ہوں اجالا ہی اجالا ہو
سیہ خانے میں اس دل کے کبھی مہمان بن جاتا

کوئی زاہد کوئی عابد کوئی پنڈت کوئی میکش
نہیں آیا کسی کو اک ذرا انسان بن جاتا



لطف جینے میں ہے باقی نہ ہے مرنے کا مزہ
خستگی روح کو ہوتی ہے بہت کام کے بعد
دل کی باتیں نظر آتی ہیں سراسر دھوکا
جب کہ تردید بھی ہوتی ہے ہر اوہام کے بعد
ہر گھڑی آتی ہے ساغر میں نئے ڈھنگ سے مئے
رنگ میخوار بدل جاتا ہے ہر جام کے بعد
رات لے آتی ہے عشاق کو پیغام فنا
"مجرم عشق کو ملتی ہے سزا شام کے بعد"
اب نہ پروان چڑھے گی یہ محبت صاحب
کہہ دیا کرتے ہیں ہم ان کے ہر اقدام کے بعد
ایک حالت میں رہا ہے نہ رہے گا کوئی
غم فرقت کی بھی ہوتی ہے سحر شام کے بعد



تیرے ابرو کی شکن یاد آئی   شورش رنج و محن یاد آئی
آپ کے لب پہ تبسم پھیلا   صبح کی پہلی کرن یاد آئی
تم نے جو پھیر لیں آنکھیں مجھ سے   اپنے پاؤں کی تھکن یاد آئی
یاد آیا جو بہاروں کا چلن   نسبت زلف وطن یاد آئی
زلف ہستی کبھی سلجھی تھیں
زلف گیتی کی شکن یاد آئی

دو شعر

کون منزل پہ ہے تیرا مقام بندگی
سچ بتا مجھ کو تو اے درد نہاں

پھر وہی غم ہیں وہی نومیدیاں
اے متاع زندگی تو ہے کہاں



لرزتے ہیں قدم ساقی ترے ہر ہر اشارے پر
سفینہ شوق کا ہے بے خودی کے تیز دھارے پر
کہیں موجوں میں ساحل ہے کہیں ساحل میں موجیں ہیں
تمناؤں کی کشتی ہے امیدوں کے سہارے پر
جلاتی ہے جو خرمن کو تمناؤں کی چنگاری
گماں ہوتا ہے شعلے کا اسی مدھم شرارے پر
کمال بے خودی ہے جذب طوفاں ہے نہیں کھلتا
تمنا ہے کنارے کی کھڑی ہوں میں کنارے پر
بتا رہبر تو ہی منزل ہمیں بھی کامرانی کی
کہا لبیک ہم نے بھی تیرے ہر ہر اشارے پر
یہ ان کے حسن ظن لطف و کرم کو کیا کہوں تحسین
انھیں شمس و قمر کا ہے گماں مدھم ستارے پر

ایک شعر

نگاہوں ہی نگاہوں میں مئے الفت کا پی جانا
وہ ساعت عرفانی کیا تجھے بھی یاد ہے ساقی



مجھ کو جب بھولنے والے کی خبر ہوتی ہے
ایک ہلکی سی تڑپ سوئے جگر ہوتی ہے

اضطراب دل مضطر ارے توبہ! توبہ!
شام ہوتی ہے کدھر صبح کدھر ہوتی ہے

میری تاریکیٔ قسمت میں اجالے ہیں کہاں
یہ تو ماضی کے اجالوں کی سحر ہوتی ہے

تری آمد کہ مرے دل کو فریب پیہم
کان آہٹ پہ نظر جانب در ہوتی ہے

ہوا احساس وفا بھی کبھی غافل تجھ کو
تیرے بیمار کی آنکھوں میں سحر ہوتی ہے

غم نصیبوں کے مقدر میں اجالا کب ہے
شب بھی تاریک ہے افسردہ سحر ہوتی ہے

نت نئے وار جو ہوتے ہیں جفا کے دل پر
بڑھ کے پھر اپنی وفا سینہ سپر ہوتی ہے



دلوں کی دھڑکنیں ساکن تمناؤں کی پامالی
ہے آئینِ کہن کا مستقل دستور ہو جانا

جلا تو بحرِ ظلمت میں چراغِ نورِ آزادی
سکھا دو ذرہ ذرہ کو سراپا نور ہو جانا

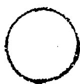
بہ حسرت ماہ و انجم بھی تماشائے صبح دیکھیں گے
زمیں کی ظلمتوں میں نور کا دستور ہو جانا

مزارِ مفلسی پر بےکسی پھر یوں نہ روئے گی
ابھی دیکھیں گے ویرانوں کا رشکِ طور ہو جانا

تمنائیں کبھی حسرت بداماں پھر نہیں ہونگی
دلوں کی دھڑکنیں بھولیں گی پھر رنجور ہو جانا

لٹیں گی چند سکوں کے عوض کیوں عصمتیں ہمدم
کہاں باقی رہے گی بےکسی مجبور ہو جانا

قیامت ہے قیامت حامیانِ ظلم پہ تحسین
شعاعِ نورِ آزادی کا برقِ طور ہو جانا



وہ آرہے ہیں شوق کا طوفاں ابھی سے ہے
داغوں سے دل کے بزم شبستاں ابھی سے ہے

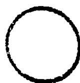
وارفتگیٔ شوق کا طوفاں نہ پوچھئے
اپنا جنوں تو چاک گریباں ابھی سے ہے

دیکھا ہی کیا ہے تو ارے ناداں دل بھی
تجھ کو وفائے یار پہ ارماں ابھی سے ہے

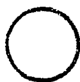
ہر رہ گزر پہ پڑتی ہے امید کی نظر
آنکھوں میں اشتیاق کا طوفاں ابھی سے ہے

اس فصل گل کا دیکھئے کیا ہو مآل پھر
گلچیں چمن میں پھول کا خواہاں ابھی سے ہے

آمد یہ فصل گل کی پپیہے کی یہ صدا
تحسین ترے جنوں کا ساماں ابھی سے ہے



میکدے میں تیرے ساقی اب بھی کیفِ غم سہی
ہے فروغِ عشق گلشن میرا داماں نم سہی
اک نئے عنوان سے روز و شب ہے اپنا امتحاں
خاطرِ دلبر ہمارا جذبۂ پیہم سہی
اشکِ خوں سے یوں بھی جل اٹھی ہے بزمِ کائنات
حاصلِ ضبطِ تمنا دیدۂ پُر نم سہی
لے گئی رندِ تشنہ لب کو آخر کیا کہوں
میکدے میں تیرے ساقی خیر جامِ جم سہی
شکوہ ہائے اضطرابِ دل کہوں تو کیا کہوں
آپ کی چشمِ کرم ہے، مگر برہم سہی
کچھ ستارے ضوفشاں ہیں اب بھی پلکوں پہ مری
جل رہا ہے وہ چراغِ آرزو مدھم سہی



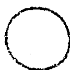
کبھی تو ہوش میں آنا کبھی مدہوش ہو جانا
کہاں کی ریت ہے یہہ چھیڑ کر خاموش ہو جانا

کبھی تو پاس آ کر اک نیا طوفاں اٹھا دینا
کبھی آنا تصور میں کبھی روپوش ہو جانا

کسی کو کر دیا حیراں کوئی چونکا کوئی ساکت
تری آواز پر میرا سراپا گوش ہو جاتا

سکوں کی گر تمنا ہو ملے گا غم کے پہلو میں
تلاش سرخوشی میں غم سے ہم آغوش ہو جانا

کسی کی بے رخی پر غم نہ کرنا آج بھی تحسین
سمجھ کر زیست کا حاصل ستم بردوش ہو جانا



آپ کی چشمِ عنایت کا مجھے احساس ہے
بے رخی پر اپنی خود ہی آپ شرماتی ہوں میں

گو خیالوں کی ہے وسعت عرش سے فرش تک
کیا کروں ماحول کو بگڑا ہوا پاتی ہوں میں

آج راہِ ارتقاء میں ہیں ضوابط اک چٹان
چاہتی ہوں کچھ بڑھوں آگے کہ ٹکراتی ہوں میں

توڑ پھینکوں بندشوں کو کس طرح ماحول کی
اکثریت کو یہاں الجھا ہوا پاتی ہوں میں

ایک شعر

بتوں نے کر دیا اعلان اپنی بت پرستی کا
انہیں یہہ کیا خبر تھی صنم خانوں سے الجھیں گے



چراغ دل کے آب آہوں میں جل بھی سکتے ہیں
یہی فسانے حقیقت میں ڈھل بھی سکتے ہیں

یہی ہے اب بھی جو منزل کا عزم مستحکم
یہ لڑکھڑائے قدم پھر سنبھل بھی سکتے ہیں

ہمارا عزم ہے خود ایک منزل مقصود
ہجوم یاس میں ارماں نکل بھی سکتے ہیں

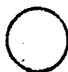
خزاں نے خاک اڑائی تو ہے چمن میں مگر
اسی زمین سے گل پھر نکل بھی سکتے ہیں

وہی ہے دل جو مچل جائے درد انساں سے
کسی کے ناز پہ یوں دل مچل بھی سکتے ہیں

خزاں سے پھول اگر منتشر ہوئے کیا غم
چمن کے خار گلوں میں بدل بھی سکتے ہیں

نہ جاؤ آج بھی ان حوصلوں کی پستی پر
کہ جس قدر یہ دبے ہیں مچل بھی سکتے ہیں

وہی ہیں سرخرو تحسین اب زمانے میں
جو اونچ نیچ پہ راہوں کی چل بھی سکتے ہیں



صبح کئی ہے شبِ انتظار باقی ہے
فسونِ گردشِ لیل و نہار باقی ہے
چمن سے لالہ و نسریں سب ہوئے رخصت
مرے جہاں میں دلِ داغ دار باقی ہے
بھنور نہ کہئے مرے سامنے تو منزل ہے
بھنور سی اب بھی لبِ جوئے یار باقی ہے
کسی کی عارض گلگوں کی بات یہہ تو نہیں
مرے چمن میں خزاں و بہار باقی ہے
خرد کو ہوش بھی آیا تو کب سے آیا ہے
نہ پیرہن میں کہیں کوئی تار باقی ہے
بہار اور خزاں کا چلن ازل سے ہے
میرے ارادوں سے فصلِ بہار باقی ہے
فنا کی راہ میں ہر شئے تو مٹ چکی تھیں
وہ ایک ساعت دیدارِ یار باقی ہے



جب بھی معراج ہوئی دہر میں حسن عشق کی بات
وہی افسانے وہی دیر و حرم تک پہنچے
مخلوک دوں دولت قاروں پہ ابھی تیری قسم
تیرا دامن جو مرے دیدۂ نم تک پہنچے
پھر بھی رہتے ہیں جبینوں کے تقاضے تشنہ
سجدۂ شوق اگر نقش قدم تک پہنچے
ہر وہ غم مجھ کو ہے منظور تری ہی خاطر
بڑھ کے جو تیرا کرم پرسش غم تک پہنچے
ہم نے تو ظلم کیا خیر شکایت ہی سہی
صورت چارہ گری آپ ستم تک پہنچے

ایک شعر

وارفتگیٔ شوق پہ دل اتنا نہ پھولے
کہہ دو کہ محبت کا یہ انجام نہیں ہے



مجھے آ گیا ہے شعورِ غم کئی وار دل پہ جو چل گئے
وہ زمینِ گل بھی بدل گئی وہ سماں کے رنگ بدل گئے

وہ نوید صبحِ دوام ہے نہ تو لُطف وہ عام ہے
نہیں مشکلیں جو سہل ہوئیں نہیں حادثے جو بہل گئے

وہ تھی اک فریبِ شبِ الم یہ ہے کیف صبح پیام غم
وہی قربتیں وہی فاصلے وہ بدل گئے ہیں یہ کھل گئے

تجھے کیوں ملالِ ستم بھی ہے میری بات پھر میری بات ہے
جنھیں کچھ خلوص بھی دیدیا وہی میرے نام سے جل گئے

مری صبح صبحِ الم نہیں مری شام تیغِ دوم نہیں
مرے ضبطِ غم کو خلش سی ہے جو تھے حادثے وہی ٹل گئے

وہی شورشیں وہی بانکپن کہیں آگہی کہیں بے خودی
کبھی لغزشیں رہی زندگی کبھی حوصلے ہی سنبھل گئے

کبھی سوز بن کے پگھل گئے کبھی رنگ بن کے سنور گئے
تری یاد کے تھے جو مرحلے مجھے کیسے کیسے ہیں کھل گئے

مجھے سیلِ غم نے بہا دیا مجھے ساحلوں نے ڈبو دیا
مری منزلیں مرے زادِ راہ مرے ہاتھ آ کے نکل گئے

وہ غرورِ حسن کی تلخیاں وہ مزاجِ عشق کے حوصلے
یہی سوز تھے یہی نغمگی یہی شوق بن کے مچل گئے

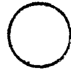
مرے مشتِ پر مری زندگی مرے زخمِ دل مری بے پری
یہ کھلا دیئے ہیں چمن چمن وہ خزاں کے رنگ بدل گئے



مرا ہر خواب ہے بختِ سکندر!
مجھے تمثیل ہی کیا جامِ جم کی

اٹھا رکھی ہے ہم نے بات ہر اک
کہ ان کی بات ہے قول و قسم کی

نہیں پرواز یہہ تحسین اچھی
زمانہ دے رہا ہے ہم کو دھمکی



پھر وہی ہیں ہنگامے پھر وہی ہیں شورشیں ان کی شوخ آنکھوں میں اپنے دل کی محفل میں
کھا رہے ہیں مدت سے اک فریبِ مدہوشی جیسے گم ہیں منزل سے ہم قریبِ منزل یا
کتنی قدریں مٹتی ہیں اب بھی پہرے دیکھے ہیں دل کی ہر اک دھڑکن پر تیرے میرے ہونٹوں پر
اب بھی پرکھا آتی ہے اب بھی دو دل ملتے ہیں کوئی مجنوں صحرا میں کوئی لیلیٰ محمل میں
ایک دیپک ۔ اک طوفاں اک شعلہ ہے اک آنسو اک ٹھہراؤ اک شورش جیسے موجیں ساحل میں
رقص طوفاں گردش ہے گردش میں ہیں پیمانے کوئی ناداں کیا جانے دنیا کی اس جھل مل میں
تو اک ساغر تشنہ لب میں ہر چشمہ مستی کا پستی تیرا شیوہ ہے رفعت میری منزل ہے
میں منزل تو ہیولا میں طوفان تو بگولہ تو زخم دل میں مرہم تیری میری محفل میں
ساقی تیری محفل سونی گل کا دامن بھیگا بھیگا شبنم روئے آنسو چھلکیں غم نے جیسے کروٹ بدلی
نظم عالم برہم برہم نبض گیتی مدھم مدھم لب پہ تبسم پھیکا پھیکا اس جہاں آب و گل میں



ترے ابرو کی شکن یاد آئی
شورشِ رنج و محن یاد آئی

آپ کے لب پہ تبسم پھیلا
صبح کی پہلی کرن یاد آئی

دورِ پیمانہ چلا جب ساقی
پھر مجھے دل کی لگن یاد آئی

وہ غمِ دل کی اندھیری راتیں
وادیٔ کوہ و دمن یاد آئی

نکہتِ گل سے جو مہکا صحرا
زلف کی مشکِ ختن یاد آئی

جب وفاؤں کو سسکتے دیکھا
تیری آنکھوں کی چبھن یاد آئی

تم نے جو پھیر لیں آنکھیں مجھ سے
اپنے پاؤں کی تھکن یاد آئی

ان کے ہونٹوں پہ وفا کے وعدے
لذتِ کام و دہن یاد آئی

زلفِ ہستی کبھی سلجھی تھیں
زلفِ گیتی کی شکن یاد آئی



ہے یہ تاکید انھیں غور سے دیکھا نہ کریں
جذب طوفان کریں عرض تمنا نہ کریں

کیا یہ مقصد نہیں جذبات سے کھیلیں ان کا
پاس الفت بھی نہیں اور کنارہ نہ کریں

کیوں وہ دانستہ نگاہوں سے ہیں ٹکراتے مری
خود تماشا نہ ہوں اور محو تماشا نہ کریں

خوف رسوائی الفت ارے توبہ ! توبہ!
دھر لیئیں دل کی تمناؤں پہ بھی وا نہ کریں

گلشن عشق ازل سے ہے اجڑتے دیکھا
خوف والے کبھی اس بزم میں سودا نہ کریں

مرنے والوں کو ہے جینے کی تمنا باقی
ہے یہ اصرار عزیزوں کو پریشاں نہ کریں



جلے جو داغ تو سرو سمن کی یاد آئی
خزاں کے دور میں لطف چمن کی یاد آئی

ترے خیال کو کعبہ بنا لیا ہم نے
جہاں عبادت شعر و سخن کی یاد آئی

سجاوٹوں میں اسی بانکپن کی یاد آئی
اسی بہار اسی انجمن کی یاد آئی

وہ آپ بھول گئے رہ گزار دل لیکن
ہمیں فریب نظر راہ زن کی یاد آئی

تین شعر

ایسے جلے کہ روشنیٔ دل لیے ہیں ہم
یوں تو چراغ کشتۂ محفل بنے ہیں ہم

وہ احتیاط ضبط غم دل کو کیا کہیں
موجوں کے اضطراب میں ساحل رہے ہیں ہم

ایسے غبار جادۂ منزل ہیں آج ہم
کل تک نشان عظمت منزل رہے ہیں ہم



نئی بہار پہ اس طرح چھا رہے ہیں ہم
زمانے بھر کی نظر کو جھبکا رہے ہیں ہم

حکایتِ گل و گلچیں کو بھول جانا ہے
نئے قانون کے عنوان بنا رہے ہیں ہم

کلی و غنچہ و گل پر ہی اک نہیں موقوف
حصولِ خار سے گلشن سجا رہے ہیں ہم

وہ ایک بات مساوات اور یکجہتی
وہ ایک بات جو سب کو بتا رہے ہیں ہم

پیامِ مہر و محبت پیامِ امن و وفا
پیامِ جشنِ مسرت سنا رہے ہیں ہم

بلندیوں پہ ہے انسان کا عروج و کمال
خلاء کی وسعتوں میں گھر بنا رہے ہیں ہم

دلوں سے نفرت و بیگانگی مٹا دیں گے
چراغِ جشنِ محبت جلا رہے ہیں ہم

شکستِ دیدہ و دل کے نہیں رہے دن
عروجِ شوق کی منزل کو پا رہے ہیں ہم



اب زندگی سے ہر طرح گھبرا رہی ہوں میں
دریائے رنج و غم میں بہی جا رہی ہوں میں

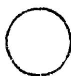
شکوہ ترے ستم کا نہیں ہے ستم شعار
بدقسمتی سے اپنی یہہ دکھ پا رہی ہوں میں

قسمت کی ترشروئی کا کس سے گلہ کروں
خود اپنے غم کو آپ ہی اپنا رہی ہوں میں

عمر دو روزہ یوں بھی گزر جائے گی تمام
دل کو کچھ اس طرح سے بھی سمجھا رہی ہوں میں

یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ باوفا نہیں
پھر بھی کسی کی یاد کو گرما رہی ہوں میں

جب بے رخی میں اس کی اضافہ ہے رات دن
تحسین کو کس توقع پہ سمجھا رہی ہوں میں



قصدِ فریاد نہیں شکوۂ بیداد نہیں
دل یہ برباد تو ہوں پر دلِ ناشاد نہیں

اپنی روداد سنانے کو ہم آئے تھے یہاں
مختصر یہ کہ دل کو جو بیٹھے تو کچھ یاد نہیں

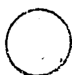
ہم پہ انداز تغافل کے کئی وار کئے
پھر یہ کہتے ہیں کہ ہم تو کوئی جلاد نہیں

کیوں نہ میں جذبِ محبت کا تقاضہ سمجھوں
گر پڑے مجھ پہ کچھ افتاد تو افتاد نہیں

دلِ غمگیں کو یہ کہہ کہہ کے منایا تحسینؔ
ان کے پہلو میں بھی دل ہے کوئی فولاد نہیں

ایک شعر

تھکاوٹ بھی نہیں ہے آبلہ پائی کا امکاں بھی
مسلسل چل رہوں دوری منزل کو کیا کہئے



حال دل کیا کہوں بیاں اپنا
درد انگیز یہہ کہانی ہے

ہوں اسیری میں مبتلائے غم
یہی انداز کامرانی ہے

کہیں مرنا بھی اختیاری ہے
کشمکش میں یہہ زندگانی ہے

چشم گریاں نہ ہو تو یوں گریاں
کام تیرا تو رازدانی ہے

کیا خبر کل کی آج جیتے ہیں
زندگی کب یہہ جاودانی ہے

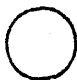
آج زندہ جو خود کو پاتے ہیں
یادِ جاناں کی مہربانی ہے

توڑ کر بند اس سلاسل کے
اپنی تقدیر خود بنائی ہے

بچ کے جائیں بھی تو کہاں جائیں
جو بلا ہے سو ناگہانی ہے

کس کو تابِ شنید ہے اے دل
زندگی غم کی اک کہانی ہے

نہ رہا وہ نہ یہہ رہے تحسین
یہہ اسیری بھی دیکھ فانی ہے



وہ نقشِ وفا ہم سے مٹائے نہیں جاتے
آئینہ ادراک پہ کچھ گرد جمی ہے

تم ساتھ چلو وقت کے ہے مصلحت وقت
یہ وقت کی رفتار رکے گی نہ رکی ہے

جلتا ہوا لگتا ہے مجھے اپنا سراپا
دامان محبت میں کہیں آگ لگی ہے

اشکوں سے بجھاؤ گے تو کچھ اور بڑھے گی
یہ دل کی لگی ہے کہیں ایسے بھی بجھی ہے

پیتا نہیں آتا جنھیں مل جاتا ہے ساغر
ساقی ترے میخانے کی یہہ رسم رہی ہے

تھا درد کا رشتہ جو کسی دل سے ہے باقی
ٹوٹی ہوئی ہر شاخ ابھی تک بھی ہری ہے

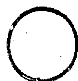
وہ رت ہے نہ برسات نہ ساون کی گھٹا ہے
لیکن دل دیوانہ کا انداز وہی ہے

سنتے ہیں کہ پیمان ہوئے تو ہیں سحر سے
امید کا عالم ہے قیامت کی گھڑی ہے

کچھ دیر ابھی دور کہ ہے سجدہ گہہ شوق
تحقیق وہ اس موڑ پر قاتل کی گلی ہے

ایک شعر

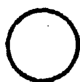
یاد کیوں آئیں گے ہم جبکہ محبت ہی نہ ہو
خون کیوں کہئے اسے جس میں کہ رنگت ہی نہ ہو



چارہ گر موت ہوئی جاتی ہے میرے غم کی
زندگی تجھ سے تو جینے کا تقاضہ نہ ہوا
چلو اچھا ہوا رسوائے جہاں ہم ہی ہوئے
کوئی رشتہ کوئی جذبہ یہاں رسوا نہ ہوا
کیا خدائی کو خبر ہے کہ خدا جانتا ہے
آج گھر میں پس پردہ مرے کیا کیا نہ ہوا
بک گئے مصر کے بازار میں یوسف سے حسیں
پھر بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ تماشا نہ ہوا
سب ہی ایسے ملے ذرے کو سنواریں جیسے
دل بیمار کا کوئی بھی مسیحا نہ ہوا
زندگی یوں بھی لگی سینچتے جنگل جیسے
کوئی جذبہ کبھی ہمرنگ تمنا نہ ہوا
یوں کھڑے ہیں مرے مرقد پہ وہ نادم نادم
ظلم کا ان کے کہیں جیسے کہ چرچا نہ ہوا
یوں جیئے اڑکے تھپیڑوں میں دیا ہو جیسے
کوئی جذبہ کبھی ہمرنگ تمنا نہ ہوا



چاک گلشن میں ابھی تک بھی ہے میرا داماں
تیری آنکھوں سے ابھی تک ہیں وہی اشک رواں
ہر خوشی آج بھی لگتی ہے گراں اور گراں
درد کی آنچ بھی ہر موڑ پہ ملتی ہے دوکاں
زندگی سایۂ ادبار سے بوجھل بوجھل
دور تک زندگی تپتی ہوئی آہوں کا دھواں
دور تک دشت تمنا میں ہے پرہول سکوت
کوئی آواز نہ دستک نہ ہی قدموں کے نشاں
شب کی پلکوں پہ لرزتے ہوئے خوابوں کے محل
یہ دل و جاں سے اٹھتا ہوا بے رنگ دھواں
دل تو ہر حال میں ویرانہ سا ویرانہ ہے
اب و باقی نہیں تکرار بہار اور خزاں
مجھ کو ملتا ہے سکوں گوشۂ تنہائی میں
دعوت مہر و طرب دیتے ہیں ارباب زماں



پھول کو زندگی گلشن کو حرارت مل جائے
تیرے شیشے میں کہاں ہے وہ ابھی رطل گراں

کتنا بیگانۂ آداب ہے گلشن کا چلن
کتنا سفاک ہے بے رحم ہے قاتل ہے جہاں

مشورے لاکھ سہی زندہ حقایق کے لئے
میری تخئیل کی پرواز کا عالم ہے جواں

یوں تو ہر شئے ہے میسّر مرے مالک لیکن
اک سکوں ڈھونڈنے جاوں تری دنیا میں کہاں

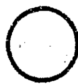
میں نے ہر ایک سے بے لوث محبت کی ہے
مجھ کو معلوم نہیں رہگذر سود و زیاں

گردش وقت میں ہم یوں بھی بہل جاتے ہیں
زندگی آج بھی باقی ہے مہرابوں میں اماں

کتنے شفاف ہیں احباب کے چہرے میرے
پارسائی کا جنہیں دیکھ کے ہوتا ہے گماں

کتنا ناپید ہے رشتوں کا حسیں شیش محل
یہ نہ رہبر ہے نہ راہی نہ ہی منزل کا نشاں

کاش یہ میری توجہ کا ہو مرکز تخمین
شب کے آنچل میں دمکتے ہوئے تاروں کا جہاں



ہر روز ہم پہ ایک قیامت گذر گئی
یہ زندگی ہماری تو بے موت مرگئی

ہم چل پڑے تھے حوصلۂ دل کے ساتھ ساتھ
اس حوصلے کی بات بھی جانے کدھر گئی

رنگت کلی کی پھول کی خوشبو چمن کی بات
سب تھے اداس جن پہ ہماری نظر گئی

ان سے ملیں کہ بات کریں مدعا کہیں
اس کشمکش میں لذت شام و سحر گئی

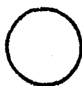
اب ایک سی ہے ان کے کرم و ستم کی بات
اچھا ہوا کہ شورش درد جگر گئی

ان کے حضور اپنی زباں کھل نہیں سکی
اک جنبش نگاہ کہ سو کام کر گئی

ماضی کی سلگی سلگی سی یادوں کے درمیان
اک عمر جاوداں ہے کہ جیسے ٹھہر گئی

ہم تجھ سے دور ہو کے رہے ہیں قریب تر
ہر راستے سے ہو کے تری رہ گزر گئی

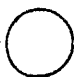
تحسینؔ ہم تو آج بھی صحرا نورد ہیں
نادیدہ وصل گل ہمیں دیوانہ کر گئی



شکرِ امروز کریں شکوۂ فردا نہ کریں
اپنی خوشیوں کا غموں سے کبھی سودا نہ کریں
کوئی عیسیٰ ہی نہیں آج مسیحائی کو
وہ مسیحا ہیں اگر غم کا مداوا نہ کریں
خاک کر دیتی ہے احساس کی شدت بھی کبھی
جذبۂ شوق کو ہم رنگ تمنا نہ کریں
لب اعجاز میں رہنے دیں دعاؤں کو ابھی
ہاتھ اٹھیں بھی تو ہم بات کا چرچا نہ کریں
دیپ جلتے رہے تحسین سیہ خانوں میں
کون کہتا ہے ستاروں سے وہ نکلا نہ کریں

ایک شعر

قتل بھی ہم کو کیا اس پہ جفا بھی دیکھو
خون ہاتھوں پہ مرے مل کے حنا کہتے ہیں



کبھی گرما کبھی سرما کبھی برسات کا عالم
دل لبھاتا ہی نہیں اب تو کسی بات کا عالم

وحشتیں چھین ہی لیتی ہیں شعور ہستی
پھر ڈراتا ہے شب غم میں سیہ رات کا عالم

زخم دل اور ابھرتے ہیں تری بات کے ساتھ
یوں تو بھولا ہی نہیں مجھکو ترے ساتھ کا عالم

یہہ کرم خوردۂ ہستی یہہ شباب وحشت
یہہ طوالت یہہ تسلسل یہہ خیالات کا عالم

چشم نم میں بھی تبسم کے دئے جلتے ہیں
کیا کہیں تم سے بدلتے ہوئے حالات کا عالم

دلِ بے تاب کو احساسِ سکوں دیتا ہے
تجھ سے تجدیدِ وفا تجھ سے ملاقات کا عالم

روز تادیب میں فرصت میں گذر جاتی ہے
پھر سوالات و جوابات و سوالات کا عالم

لاج رکھئے کہ خدارا مری خودداری کی
کاش تو دیکھ سکے میری مناجات کا عالم

روز چھلنی ہے جگر سینۂ بریاں کی قسم
زندگی بوجھ ہے جیسے کہ خرافات کا عالم

وہ جو تحسین ہے اس کی وہی سرشاری ہے
آپ کیوں پوچھتے ہیں اندر خرابات کا عالم



ہے کوئی غنچہ دہن یا کہ ہے اک پھول حسیں
جسکی اس صحن چمن میں کوئی تمثیل نہیں

اتنے بت دل نے تراشے بت آذر کی قسم
ذہن آذر میں بھی جن کی کوئی تشکیل نہیں

ہے بہاروں میں خزاں شرح چمن کیا کہئے
خواب تو خواب ہے جس کی کوئی تمثیل نہیں

اک وجود غم تنہا ہیں چمن میں اب بھی
اپنے افسانے کی کچھ اور تو تفصیل نہیں

اعتراف دل پرخون کی پذیرائی کو
آپ آنکھوں میں ہیں دل میں مرے تحلیل نہیں

آپ کے لب پہ ہو گر لفظ مکرر کی طرح
آپ مجبور نہیں یہ کوئی تمثیل نہیں

آپ پھونکوں سے بجھانے کی نہ کوشش کیجئے
میری مٹھی میں سحر ہے کوئی قندیل نہیں

مجھکو ہر بار صدا دی تو ہے یہ لطف کی بات
میری خوش بختی نہیں آپ کی تذلیل نہیں



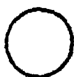
آنکھوں میں ہیں آنسو مری فریاد نہیں ہے
کیا تم نے دیا مجھکو مجھے یاد نہیں ہے

اب عشق نے سیکھا ہے سنبھلنے کا سلیقہ
اب درد بھی منت کش بے داد نہیں ہے

اڑنے کی اجازت ہے کہ دربند قفس ہے
اب نزد نشیمن کوئی صیاد نہیں ہے

آباد ہے غمخانۂ ہستی کا خرابہ
برباد تمنا ابھی برباد نہیں ہے

پھولوں کے عوض ملتے رہے سینکڑوں پتھر
افتاد مرے واسطے افتاد نہیں ہے



اور بھی بگڑے رہے ان کو جو سمجھانے گئے
دور تک بگڑی ہوئی قسمت کے افسانے گئے

چھاؤں ہو تیری گھنی یا چلچلاتی دھوپ ہو
ساتھ ساتھ اے زندگی یہہ تیرے دیوانے گئے

کفر تھا لیکن جبینِ شوق جھکتی ہی گئی
سجدہ گاہِ شوق سمجھے تھے وہ بت خانے گئے

ہم نہ سمجھے تھے نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے کبھی
موقع آیا تو ایسے لوگ پہچانے گئے

شورشِ مستی نے گھبرا کر خرد کی راہ میں
اک تمنائے فسوں سے کتنے ویرانے گئے



دیدۂ نم میں ترے روز ہی پیکر اترے
میری آنکھوں میں ترے خواب کہ شب بھر اترے

زخم ہنستے رہے اک دیدۂ نم کی خاطر
کچھ ستارے مری محفل میں برابر اترے

کس تمنا سے تجھے دل میں چھپا رکھا ہے
کتنے لمحے تری خوشبو سے معطر اترے

ترے رنگین خیالوں کی اگر یاد آئی
یوں لگے ہے مجھے دامن میں گل تر اترے

یوں اتر تا رہا آنکھوں میں تمنا کا شباب
اپنے ہی سایے تلے جیسے صنوبر اترے

یار بیضا ہے نہ عیسیٰ نفسی رکھتے ہیں
دل معصوم میں تخمین پیمبر اترے



تم سے یہ کس نے کہا تم سا نہیں ہے کوئی
کس لئے تم کو مگر زعم خود آرائی ہے

ہم نہیں کہتے کہ تم نے اسے گمراہ کیا
دل تو ہر حال میں سودائی سا سودائی ہے

بات اتنی سی ہے کچھ دور چلے ہوں ملکر
ہم نے کب تم سے محبت کی قسم کھائی ہے

درد بڑھتا ہی گیا آپ کے بیماروں کا
بندہ پرور یہ کہیں کیسی مسیحائی ہے

چارہ گر تو تو نہ کر سعی کرم کی زحمت
بعد مدت کے مرے لب پہ ہنسی آئی ہے

صرف اتنا ہی نہیں جام نہ چھلکے تحسین
نکہت گل بھی کہاں اب کے صبا لائی ہے



دردِ دل میں مرے سلامت ہے
زندگی درد کی امانت ہے
شام وابستۂ سحر ہی سہی
یہہ سحر بھی تو اک قیامت ہے
یوں بھی گذرے حیات کے لمحے
جیسے اک عمر ایک ساعت ہے
ان کو مانے کوئی کہ نہ مانے
ان کے قدموں میں ایک جنت ہے
کوہکن ہو کہ قیس کا قصہ
ہائے کیا چیز یہہ محبت ہے
ہم تو غم سے نباہ کرتے ہیں
نہ سکوں ہو تو کیا قیامت ہے
آپ تحسین کو دیکھ لیں آکر
آج کچھ غیر اس کی حالت ہے



یہہ ہوتا رہا ہے یہہ ہوتا رہے گا
قیامت اٹھائیں قیامت کے مارے

سفینے کو ساحل نے بڑھکر اتارا
کہ منزل نے خود ہی کئے ہیں اشارے

یہہ دو چار دن عارضی زندگی کے
کوئی کب تلک زلف ہستی سنوارے

بہار آگئی جب نشیمن ہی چھوٹا
کہ کتنے سدھارے شب غم کے مارے

ارادوں نے راہوں میں دیپک جلائے
وہ ساحل نے کتنے سفینے اتارے

خزاؤں میں گلشن ہمارا تمہارا
بہاروں کے سایے ہمارے تمہارے

خوشی کی خوشی ہے نہ غم کا مجھے غم
کبھی ہم ہی جیتے کبھی ہم ہی ہارے



کیسی عجیب جذب کی صورت ہے زندگی
منجملہ آج ایک حقیقت ہے زندگی

وہ دن گئے کہ زخم غم دل تھی کائنات
اب ارتکاب جرم کی فطرت ہے زندگی

وردِ زبان وہ نام اسی آستاں کی یاد
کتنی حسین میری عبادت ہے زندگی

کل تک ستم کے نام سے وہ آشنا نہ تھے
اب سر بہ سر ہی ان کی عنایت ہے زندگی

نیلام ہو رہی ہے شرافت کے نام پر
پھر بھی حسین لفظ شرافت ہے زندگی

ہم چل رہے ہیں کس کے اشاروں کے ساتھ ساتھ
انجان رہ میں کس کی قیادت ہے زندگی

تحسین دل ہے اپنا نہ جاں اپنی جان ہے
لگتا ہے جیسے ان کی امانت ہے زندگی



نظارۂ چمن بھی ہوا دل پہ بار کیوں؟
وحشت چمن میں پھرتی ہے دیوانہ وار کیوں؟

نغمے کا حسن فن کا تقدس دلوں کا درد
نیلام ہو رہے ہیں سر رہگزار کیوں؟

واقف نہیں ہیں اب بھی بہار و خزاں سے ہم
وہ دے رہے ہیں ہم کو فریب بہار کیوں

شاید کہ لٹ رہا ہے کوئی کاروان شوق
آہستہ چل رہی ہے نسیم بہار کیوں

ہم کو کشاں کشاں لئے جاتا ہے دل کدھر
مت پوچھئے کہ وہ ہیں وجہ افتخار کیوں

خود داریوں کی موت ہے بنیادِ زندگی
شعلہ فشاں ہے بلبل صوتِ ہزار کیوں

چہرے اداس لب پہ فغاں اور سرد آہ
ہم تشنہ لب کھڑے ہیں لب جوئبار کیوں

طوفان انبساط ہے یا ہے کمال شوق
سامانِ جشن ہے مجھے دیدار یار کیوں

تحسین عزم قافلۂ پاسباں ہو تم
کہتے ہیں لوگ تم کو فروغِ بہار کیوں



کرم یاد آیا ستم یاد آیا
مجھے پھر وہ بیت الصنم یاد آیا

جہاں میں نے دیکھا سفالی پیالہ
وہ جمشید کا جامِ جم یاد آیا

چٹک کر جو دی آبلوں نے دہائی
مجھے اہلِ دنیا کا غم یاد آیا

وہ رہبر وہ رہرو وہ منزل وہ جادہ
جنوں پیرہن ہر قدم یاد آیا

تجھے دل کے آئینہ خانے میں ڈھونڈا
اگر شیخ جی کو حرم یاد آیا



عنایت کے صدقے طوالت جنوں کی
بہت مختصر چارہ گر ہوگئی ہے

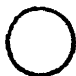
شب غم کی کیا یہہ سحر ہوگئی ہے
کہ روداد غم مختصر ہوگئی ہے

بجز اشک لاؤں بھی کیا میں نذر کو
ہر اک شئے تمہاری نذر ہوگئی ہے

مصر میں نئی وہ قیامت اٹھا نے
اِدھر آنکھ بھی دیدہ ور ہوگئی ہے



حسین نظارے ہیں پرکیف ہے حسین موسم
گلوں کو چومتی پھرتی ہے ہر طرف شبنم
دلوں کے داغ ہیں پوشیدہ راز دل کی طرح
کئی فسانے دلوں میں ہیں آج بھی مبہم
ہو جیسے سایۂ ادبار میں خوشی کی کرن
کسی کی یاد بھی آئی ہے دل میں یوں کم کم
ہزار بار سرابوں کو زندگی جانا
ہمیشہ ٹوٹے ہیں جھوٹی عنایتوں کے بھرم
ہماری آنکھ میں آنسو ہیں نو دمیدہ سے
کہ جیسے دامنِ دل میں ہوں قطرۂ شبنم
سکون دہر میں مجھ کو ملا نہ دیر و حرم
خدا تراش لیا تھا کہ بن گیا ہے صنم
خوشی کی راہ میں آنسو رلائے تحسین
مگر ہوئے ہیں زمانے کے نت نئے ہی ستم



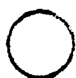
میں نقیبِ زندگی ہوں کس طرح خاموش ہوں
دعوتِ بے چارگی دیتے ہیں آب و گل مجھے

کل سفینے کا بھنور میں ڈوبنا ممکن نہ تھا
آج طوفاں نے ڈبویا ہے لبِ ساحل مجھے

مٹ رہی ہے زندگی اب بھی نہ عنوانِ حیات
تو فریبِ شوق دیتا جا فریبِ دل مجھے

مہرباں جب تم نہ تھے تو ہر نظر بے گانہ تھی
میرے غم میں ہر نظر آتی ہے اب شامل مجھے

جب مجھے ماحول کا احساس ہی جاتا رہا
لے اُڑا افلاک پہ ہر دعوئ باطل مجھے



حریم ناز کے پردے اٹھا کے پچھتائے
ہم ان سے آج نگاہیں ملا کے پچھتائے

ہزار بار عزائم پہ ناز تھا ہم کو
ہم اپنے ہاتھ دعا کو اٹھا کے پچھتائے!

وطن میں دشت میں غربت میں پہلوئے گل میں
غریب کانٹوں سے دامن بچا کے پچھتائے

چھلک گئے ہیں خوشی میں نظر کے پیمانے
ترے بغیر کبھی مسکرا کے پچھتائے!

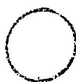


سب راہیں محبت کی مٹانے کے لئے ہیں
آنے کے لئے ہیں نہ یہ جانے کے لئے ہیں

محبوس تمنائیں ہیں مغفور ارادے
نغمے مرے ہونٹوں پہ نہ آنے کے لئے ہیں

آنکھوں میں سرِ شام سے اُمڈے ہوئے آنسو
سلگی ہوئی یادوں کو بجھانے کے لئے ہیں

وہ ربط دل و جان کی سوچیں وہ دہائی
خوابوں میں ذرا ان کو بلانے کے لئے ہیں



لوگ کہتے تھے مجھے ہوں شاعرِ شیریں بیاں
رہبرِ بزمِ ادب کی رہنمائی چھین لی

واعظِ پیرِ حرم نے ہی مجھے رسوا کیا
حضرتِ واعظ نے جیسے پارسائی چھین لی

باپ کی آنکھوں کی جیوتی باپ کے دل کا سرور
ماں کی امیدوں کا بچپن نوجوانی چھین لی

قہقہہ مینا کا جیسے جیسے قلقل کی صدا
سینۂ دریا سے موجوں کی روانی چھین لی

دوست رنجیدہ ہوئے دشمن ہنسے کیا کیا ہوا
آپ نے تقدیس کی ہر اک کہانی چھین لی

یہ مذاقِ آدمیت ہائے شہرت کہو
ہم سے اپنوں نے ہماری زندگانی چھین لی

بن گیا ہر اک ستم اس کا مقدر مستقل
صورت گریہ کیا اور بے نیازی چھین لی

حسن کی ہر اک ادا کو عیب میں بدلا گیا
دی گئی ہر اک ندامت بے نیازی چھین لی

زلفیں مٹیالی ہوئیں آنکھوں کی تابانی گئی
خوگر غم کر دیا اور بے نیازی چھین لی

بے کلی بے تابیاں بے خوابیاں کیا کیا ملیں
سرنگوں سا کر دیا اور سرفرازی چھین لی

حال کو ماضی کو مستقبل کو کچل کر رکھ دیا
ہر وجود مستقل کی ہر نشانی چھین لی

فاتحہ پڑھ لی بہن نے بھائی بے گانہ ہوا
آہ ہونٹوں کو ملی جو بے نیازی چھین لی

ہر گلی میں شہر میں بازار میں رسوا کیا
حد تو یہ ہے بے زباں سے بے زبانی چھین لی



لالہ و گل کے جو سامان بہم ہو جاتے
فاصلے دشت و چمن زار میں کم ہو جاتے

درد ہے جن میں نہ ہے جن میں دوا کی تاثیر
کاش وہ بت ہی کہیں اپنے صنم ہو جاتے

تم نے تو خیر نبھائی نہ محبت کی بات
کاش کہ آپ ہی پابند بھرم ہو جاتے

دیکھئے کس کو مٹاتا ہے زمانہ آخر
ہم اگر وقف روایات ستم ہو جاتے

یہ نہ سمجھو کہ تصور سے ہے دنیا روشن
نقش سجدہ ہی مرے دیر و حرم ہو جاتے

ہم نے امرت میں بجھائے ہیں زہر کے نشتر
ورنہ افسانے غم ہستی کے ستم ہو جاتے

چشمک برق سے کھیلے ہیں نشیمن کی قسم
ورنہ عنوان وفا آج نہ ہم ہو جاتے



اکیلا قیس رہا جذبۂ کوہکن تنہا
زمانے بیتے محبت کا ہے چلن تنہا

میں انجمن میں ہوں پھر بھی مجھے یہ لگتا ہے
میں انجمن سے الگ ہوں کہ انجمن تنہا

کہاں کہاں نہ کی انساں کی جستجو میں نے
ہر ایک راہ سے لوٹی ہوں پھر بھی تن تنہا

نیا مذاق نئی زندگی بنا انساں
پڑا ہے عظمتِ رفتہ کا پیرہن تنہا

بھٹک رہا ہے تخیل نہ جانے کب سے
ملا حیات کو پھولوں سے ہی بانکپن تنہا

بہار آئی ہے ہر سو مگر یہ لگتا ہے
کلی کلی ہے فسردہ چمن چمن تنہا

وہ دیکھئے یہ تصدق ہے شعر کی عظمت
یتیموں کے بیت عمر کا فکر و فن تنہا



وہ رشکِ طور نہیں ہے ذہن ذہن کوئی
ہمارے سامنے اوجِ سکندری تو نہیں

وہ اک چمکتی ہوئی شے وہ اک فریبِ نظر
جو مل بھی جائے ہمیں وہ پیمبری تو نہیں

تصورات نے کتنے صنم تراشے ہیں
صنم کدے میں مرے نقشِ آذری تو نہیں

کبھی ملو تو نوازیں گے اک تبسم سے
حضور آپ کی یہ بندہ پروری تو نہیں

عروجِ فن کو نوازا ہے پستیوں نے مری
کمالِ ذوق ہے تحسین شاعری تو نہیں



جب کوئی پاس نہیں رات کے سناٹوں میں
کس کی تصویر سے ہم بات کیا کرتے ہیں

کوئی بتلا دے یہ پھولوں کے طلب گاروں سے
صورتِ خار یہاں ہم بھی رہا کرتے ہیں

کیا ملا ہم کو زمانے سے وفاؤں کا صلہ
زہرِ غم ملتا ہے ہر روز پیا کرتے ہیں

وہ چراغ حرم و دیر سے اپنی ہستی
صبح جلتے ہیں سرِ شام جلا کرتے ہیں

خونِ دل خونِ جگر خونِ تمنا ہی سہی
اپنے ہاتھوں میں بھی یوں جام ہوا کرتے ہیں



قرارِ عالمِ امکاں لئے یہہ کون آیا
پیامِ صبحِ درخشاں لئے یہہ کون آیا

کرم کی تیرے حقیقت نوازیوں کی قسم
بہارِ زیست کا ساماں لئے یہہ کون آیا

خمارِ نورِ عقیدت سجا کے آنکھوں میں
گدازِ لذتِ پنہاں لئے یہہ کون آیا

یہ کس نے چھیڑ دیا میرے بربطِ غم کو
ہجومِ شوق کا طوفاں لئے یہہ کون آیا



جذبۂ ہوش ہوا ہے کہیں رسوا تو نہیں
خود میری بزم میں محو تماشہ تو نہیں

کہہ دو دیوانوں سے وہ عشق کو رسوا نہ کریں
کوئی ہلکی سی خلش زخمِ تمنا تو نہیں

منزلیں گرد کی مانند اڑی آئیں گی
غم امروز نہیں یہہ غم فردا تو نہیں

چاک دامانِ نظر چاک ہے دامانِ سکون
زخم دل کا یہہ میرے کوئی مداوا تو نہیں

ایک دنیائے حسیں اور حسیں اور حسیں
محفلِ شوق سہی بزمِ تمنا تو نہیں

دل ہمارا ہے جو مل جائے کسی کے دل سے
کوئی کعبہ یہہ نہیں کوئی کلیسا تو نہیں

جو مٹا اور مٹا اور مٹا ہے تحسین
گلشنِ عشق میں یہہ رسم تمنا تو نہیں



ناصح لٹی ہے ان کا نہ اپنی جز گئی
اکثر صبا اگرچہ اِدھر سے اُدھر گئی

یوں بھی لگا ہے مہر و محبت کی بات پر
تسکین کے بعد لذتِ دردِ جگر گئی

مانوس اس قدر ہیں قفس سے قفس نصیب
چھوڑیں تو کہہ دیں آرزوئے بال و پر گئی

جب تک جہاں میں میر و غالب شناس ہیں
کہتا ہے کون قیمتِ اہلِ ہنر گئی

ہم بے خودی میں اپنی جبیں کاٹتے رہے
کس کو پتہ کہاں پہ تری رہ گزر گئی

ہم تجھ سے دور ہو کے رہے ہیں قریب تر
ہر راستے سے ہو کے تری رہ گزر گئی

ہر بار ان پہ ختم ہوئی ہے ستم کی بات
تہمت ترے ہی سر دلِ آشفتہ سر گئی

راہوں پہ اب بھی ہم آبلہ پایانِ دشت ہیں
یارانِ تیز گام کی منزل کدھر گئی

ہم روشناس کیوں ہوئے اس ناشناس سے
تحسین آبرو گئی دلِ معتبر گئی



خوشا لے دورِ حقیقت کہ مگرہی کم ہے
خوشا نصیب کہ ہنگام خسروی کم ہے

غمِ حیات فزوں تر ہے اور خوشی کم ہے
کٹھن ہے مرحلۂ شوق آگہی کم ہے

یہ کیسی بزمِ چراغاں ہے روشنی کم ہے
بڑھاؤ شمع کی لو تم کہ زندگی کم ہے

ابھی تو راگ بکھرے ہیں مطرب تو نے
نظر میں شوق تبسم ہے اور نمی کم ہے

تڑپ تڑپ کے ابھی بجھ رہے ہیں غم کے چراغ
رخِ حیات پہ انداز برہمی کم ہے

چھلک رہے ہیں نئے جام دست ساقی میں
اٹھاؤ بادہ و ساغر کہ تشنگی کم ہے

بڑھاؤ اور بھی آئینِ دردمندی کو
کہ زندگانی کو احساسِ زندگی کم ہے



نمازِ محبت ادا ہو رہی ہے
سرِ بے نیازی کو خم دیکھتے ہیں

پئے وردِ تسبیح یہ کہتے رہے وہ
تمہیں کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

بڑھی ہیں وفاؤں کی قربانیاں کچھ
جہاں ان کے دامن کو نم دیکھتے ہیں

چٹانوں کو آشوبِ موجِ بلا کیا
وہ ساحل کو ثابت قدم دیکھتے ہیں

کہاں آ کے ٹھہری ہے چشمِ بصیرت
نہ وہ دیکھتے ہیں نہ ہم دیکھتے ہیں

نہ کعبہ نظر میں نہ اپنی حرم ہے
عبادت کو نقشِ قدم دیکھتے ہیں

وہ ظالم نہیں ہیں ذرا خود غرض ہیں
میرے دل کے زخموں کو کم دیکھتے ہیں

سلامت سرِ دیرِ نیاز ان کو تحسین
ہم آنکھوں میں اعجازِ رم دیکھتے ہیں



لب پہ شکوہ بھی نہیں حرفِ تمنا بھی نہیں
بھول جاؤں میں تمہیں دل کو گوارہ بھی نہیں

مری کشتی کو ڈبو دے کوئی آساں بھی نہیں
کوئی منزل پہ بلائے وہ اشارہ بھی نہیں

غم مٹا دیتے جو تکمیلِ تمنا ہوتی
میری دنیا کو جہاں تم نے سنوار بھی نہیں

رقصِ بسمل ہے کہ ہر لمحہ سسکتی ہے حیات
صبحِ امید کہیں ایسا ستارہ بھی نہیں

کیوں مٹوں ویسے تو مٹ جاتے ہیں مٹنے والے
دل کے ہاتھوں مجھے مٹ جانا گوارہ بھی نہیں

دل گلستاں بھی نہیں دل مرا صحرا بھی نہیں
کوئی کعبہ یہہ نہیں کوئی کلیسا یہہ نہیں

تم نے نفرت سے کبھی مجھ کو نہیں دیکھا ہے کبھی
اور چاہا ہو کبھی تم نے تو ایسا بھی نہیں

تم بھی محسوس کرو میں بھی ہوں ممنون کرم
میری آنکھوں میں کوئی ایسا تقاضہ بھی نہیں

تنگ ہو تم بھی مرے دیدۂ پرنم سے بہت
میں بھی بے زار کہ یہ صورت گریہ بھی نہیں

تم نے کبھی چاہا تو نہیں ہے لیکن!
تم کو اپنا میں کہوں تجھکو یہہ سودا بھی نہیں

عورتوں کے سال پر
محفل خواتین کی فرمائش پر

کل ہوگا تمہارا جب اب راج ہمارا ہے
یہہ تخت ہمارا ہے یہہ تاج ہمارا ہے

ہر کام کریں گے ہم تم کہہ نہ سکو گے یہہ
چھلنی یہہ تمہاری ہے یہہ چھاج تمہارا ہے

چوٹی پہ ہمالہ کی جھرمٹ میں تاروں کی
رقاصہ خلاء کی ہم یہ چاند ہمارا ہے

کرسئی وزارت پر کرسئی عدالت پر
ہم ارض و سما پر ہیں انصاف ہمارا ہے

طوفاں میں سمندر میں موجوں کے تلاطم میں
کشتی کے لئے اپنی ہر موج کنارا ہے

ہم رحم مجسم ہیں زخموں کا مداوا ہیں
گلشن کے نگہبان ہیں گلشن کو سنوارا ہے

غنچوں کا تبسم ہیں کلیوں کی چٹک ہم ہیں
مضراب ہیں نغمہ ہیں ہر ربط یہہ ہمارا ہے

افسانۂ غیرت ہیں تجدید وفا ہیں ہم
ہیں وجہ سکونِ دل شیوہ یہہ ہمارا ہے

بچوں کے لئے ممتا ہیں آپ کی غیرت ہم
صدیوں سے مکیں ہیں ہم یہہ گھر جو تمہارا ہے

رادھا ہیں زلیخا ہیں سیتا ہیں کہیں مریم
ہم وقت کی بیٹی ہیں ہر دو رہمارا ہے

اندرا ہو کہ رضیہ ہو یا جھانسی کی رانی ہو
ہر عہد ہمارا ہے ہر نام ہمارا ہے

اور نگِ سلیماں ہیں اعجازِ مسیحا ہیں
آئینہ ہیں فطرت کا جو عکس ہے پیارا ہے

ہم شامِ اودھ کی ہیں ہم صبحِ بنارس بھی
کاشی ہو کہ کعبہ ہو سنسار ہمارا ہے

تہذیب کا ورثہ ہیں قرنوں کا تمدن ہیں
تحسینِ مجسم ہیں یہہ دیش ہمارا ہے

ایک شعر

روداد محبت ہیں نہ اثرات محبت
سب چھین لئے آپ نے ذرات محبت

ڈاکٹر جاوید وششٹ ۔ ذاکر حسین کالج ۔ دلی

"دشتِ تمنا"

پر

پروفیسر جاوید وششٹ صاحب کی رائے

"دشتِ تمنا" زبیدہ تحسین کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو (۸) نظموں ایک قطعہ اور (۶۷) غزلوں پر مشتمل ہے۔ ایک غزل (مرنے کا مجھے غم ہے نہ جینے کی خوشی ہے) ص ۷۴ دوسری بار ص ۹۱ پہ لکھی گئی ہے مگر اس میں تین شعر نئے ہیں اور مقطع بھی ہے۔

مجموعہ میں زبیدہ تحسین کی تصویر بھی ہے جس پر ان کا شعر بطور "کیپشن" صادق آتا ہے ؎

ترے خیال کی ٹھنڈک، ترے فراق کی آنچ
خوشی کی طرح مرا غم رہا ہے آنکھوں میں

زبیدہ تحسین کی (۸) نظموں میں صرف ایک نظم " زندگی جہد

مسلسل ہی رہی" آزاد ہے تحسین کی غزلیں نظموں سے زیادہ جاندار ہیں بلکہ بنیادی طور پر وہ غزل کی شاعرہ ہیں۔ داخلیت ان کے کلام میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ درون بینی ان کی افتادِ طبع ہے۔

"دشتِ تمنا" کے سرسری مطالعہ سے ہی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ "دشت" زندگی کی ویرانیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کی علامت ہے اور پورے مجموعہ میں اس قسم کے اشعار بکھرے ہوئے ہیں ؎

نہ کسی کے دل کی میں آس ہوں نہ کسی نظر کی تلاش ہوں
نہ سکوتِ بزمِ خیال ہوں، نہ فسونِ چشمِ بہار ہوں

مرنے کا مجھے غم ہے نہ جینے کی خوشی ہے
یہ زندگی کس موڑ پہ اب آکے رکی ہے؟

آباد ہے اک درد کی دنیا مرے دل میں
کھلتا نہیں، کب اور کہاں چوٹ لگی ہے

تلاشِ سر خوشی میں ہم چلے تھے
گھیرے ہوگئے ہیں غم کے سائے

اب نہ وہ دن ہیں، نہ راتیں، نہ حالات اپنے
زندگی لگتی ہے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی طرح

اسے دیکھا، اسے سمجھا، اسے پڑھا تحسین
زندگی پھر بھی رہی بند کتابوں کی طرح

نہ قرار زندگی کو، نہ قیام زندگی کو
یہ وہ موجِ مضطرب ہے جو نہ پاسکی کنارا

اُلجھی ہوئی ہوں کشمکشِ زندگی سے میں
گھبرا رہی ہوں زیست کی تشنہ لبی سے میں

یہ لمحۂ حیات میرا مجھ پہ بار ہے
بیگانہ ہو چلی ہوں بہت زندگی سے میں

ہم سے پوچھئے کیا ہو شورشِ غمِ ہستی
وحشتوں کے ساماں ہیں زندگی کے ویرانے

کس قدر جدا نکلے ہیں وقت کے تقاضے بھی
آج شخصیتیں اپنی بھی لگ رہی ہیں بیگانے

میں نے تو چھپایا تھا اشکوں کو تبسم میں
دنیا نے مرے غم کو افسانہ بنایا ہے

زہر گھلتا رہا اخلاص کے پیمانوں میں
زہر پیتے رہے امرت کے پیمانوں کی طرح

رنگت کلی کی۔ پھول کی خوشبو چمن کی بات
سب تھے اداس جن پہ ہماری نظر گئی!

عظمت عبدالقیوم صاحبہ نائب صدر محفل خواتین حیدرآباد "حرفِ اول" میں رقمطراز ہیں۔ "ان کے کلام کے مطالعے سے یہ واضح ہوگا کہ زبیدہ تحسین نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز سے انھیں وابستگی رہی ہے ان کے کلام میں زندگی کی جیتی جاگتی تصویر دکھائی دیتی ہے۔"

"زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے" کا مطلب یہ ہوا کہ تحسین زندگی کی تماشائی رہی ہیں۔ انہوں نے کنارے سے اندازۂ طوفان نہیں کیا بلکہ زندگی کے طوفان سے ٹکراتی ہوئی گزری ہیں خود جزو طوفانِ حیات رہی ہیں اس کے ثبوت میں ان کے یہ اشعار پیش کئے جا سکتے ہیں ؎

زندگی زہر دیا تو نے کئی بار مگر
ہوش پھر بھی ہے سلامت ترے دیوانوں میں

دولت نشاط باعث شہرت کبھی نہ ہو
خائف ہوں اپنی زیست کی بے مہر خوشی سے میں

جیتے ہیں کہ جینا بھی سنتے ہیں عبادت ہے
ورنہ ہمیں اپنوں نے کیا کیا نہ بتایا ہے

منجدھار میں ہوتے ہی ہیں طوفان ہزاروں
ساحل نے ڈبوئے ہیں کئی دل کے سفینے

تحسین بتا رکھی ہے کیا آپ نے حالت
جڑتے تھے کبھی آپ کے تم مخمل میں نگینے

غم کی طرح محبت بھی زندگی کی اٹل حقیقت ہے تحسین نے محبت کی حسین و رنگین وادیوں میں خود فراموشی و گمشدگی کے لمحات بھی گذارے ہیں۔ انھیں لمحات کی یاد ان کے کلام کا ایک شیریں سرمایہ ہے انسان کی فطرت ہے کہ وہ خوشگوار یادوں کو سینے سے لگائے رکھتا ہے اور ناخوشگوار یادوں کو بہ جبر لاشعور کے گہرے غار میں ڈھکیل دیتا ہے۔ تاہم کوئی ناخوشگوار یاد بھی تحت شعور کے کسی گمنام گوشے میں چھپی رہ جاتی ہے اور وہ موقع ملتے ہی شعور کے آنگن میں اتر آتی ہے۔ تحسین کی غزلوں میں یادوں کی دھوپ چھاؤں دھنک کی طرح لپکتی اور دیپک کی طرح جگمگاتی ہوئی دیکھی جا سکتی ہے ان کی نظم "منزل گم گشتہ" تو یادوں کا آئینہ خانہ ہے جس کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے ؎

یونہی کچھ سوچ کر آنکھیں ہمیشہ جھک جاتی تھیں
کئی باتیں مجھے بھولی ہوئی سی یاد آتی تھیں

یا "کہاں ہو تم" کا یہ شعر ؎

کئی بھولے فسانے یاد آتے ہیں کہاں ہو تم
صنوبر کے خنک سائے بلاتے ہیں کہاں ہو تم

یا پھر غزلوں کے یہ اشعار ان ہی یادوں کے ذخیرے کی غمازی کرتے ہیں ؎

تصور نے کہاں پہنچا دیا ہے
ہزاروں روپ میں تم یاد آئے
اللہ رے کاروبارِ محبت کا اختصار
وہ ایک ہی نگاہ میں اپنا بنا گئے
وہ ضیاء تابِ نظارے نہ وہ بھیگی راتیں
چاند افسردہ ہے اب ٹوٹے ہوئے دل کی طرح
چند یادیں ہی سہی عمر کا سرمایہ ہیں
ہم چھپاتے ہیں جنھیں سینے میں چھالوں کی طرح
کسی بستی کے جب مجھ کو اُجالے یاد آتے ہیں
کلس آنکھوں میں پھرتے ہیں شوالے یاد آتے ہیں
مجھے گنگا سے نسبت ہے کبھی ان مرغزاروں سے
وہاں کے جب مناظر دیکھے بھالے یاد آتے ہیں

تحسین نے ذکرِ محبوب بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ کیا ہے اور آدابِ عشق کو بھی ملحوظ رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے عشق میں نفاست اور ندرت پیدا ہو گئی ہے تحسین کے محبوب کی ایک جھلک ان اشعار کے جھروکوں سے دیکھیے ۔

دل میں آ بستے ہو انجان خیالوں کی طرح
نقش بن بن کے اُبھرتے ہو سوالوں کی طرح

بے رخی کا کوئی الزام نہیں یوں تو نہ دو
ہم نے چاہا ہی نہیں چاہنے والوں کی طرح

ترے خیال کی ٹھنڈک ترے فراق کی آنچ
خوشی کی طرح مرا غم رہا ہے آنکھوں میں

ٹھہر سکا نہ لگاہوں میں خوب رو کوئی
وہ ایک حسن مجسم رہا ہے آنکھوں میں

نیند راتوں کی دل کا صبر و سکوں
لوٹ لیتی ہیں فتنہ گر آنکھیں

خوب کہتے ہیں لوگ آنکھوں کو
ہم نے دیکھی ہیں خوب تر آنکھیں

خیالِ محبوب کا ایک لمحۂ حسین ملاحظہ کیجیے ؎

کچھ اس طرح خیال کے تم روبرو رہے
جیسے شراب و شعر کی محفل سجی رہے

ذرا یہ کشمکش بھی دیکھئے ؎

اُن سے ملیں کہ بات کریں مدّعا کہیں
اس کشمکش میں لذّتِ خوابِ سحر گئی

آخر محبت میں ایک ایسا مقام بھی آجاتا ہے جب ؎

رفتہ رفتہ اپنی راہیں یوں الگ سی ہو گئیں
آپ سے ہم آپ ہم سے بے خبر ہوتے گئے

اور پھر بہار بے خزاں کی تمنا جنم لیتی ہے ؎

غموں نے چھین لی بڑھ کر خوشیٔ ہر گوشۂ دل سے
تو باغِ عشق میں بن کر بہارِ بے خزاں آجا
تمنا تشنہ لب، رنجورِ حسرت، سوزشِ پیہم
تو جامِ شوق میں بن کر شرابِ ارغواں آجا

حسرت کی یہ تمنا بھی ملاحظہ کیجئے ؎

کوئی لمحہ تو کہیں زیست کا حاصل بن جائے
کوئی لمحہ تو نکل آئے محبت کی سبیل
کون ظالم نے یہ چھین لی مجھ سے
میرے صبر و قرار کی دنیا
کون جانے کدھر سے آیا تھا
کون جانے کدھر سے گیا کوئی
آن پہ مرنے کی ادا سیکھ لی ہم نے تحسین
زندگی یوں کسی افسانے کا عنوان ہو جائے

آخر دشتِ تمنا میں ایک ایسا بھی مقام آتا ہے جب حصولِ تمنا سے بھی دامن بچایا جاتا ہے ؎

زندگی موت ہے ہر ایک تمنّا کا حصول
مجھے منظور نہیں جذبۂ دل کی توہین

تحسین کی غزلوں میں رومانی فضا اور ہندوستانی عناصر کی بھی فراوانی ہے اس نے رنگِ تغزل میں ایک البیلا نکھار پیدا کر دیا ہے رنگ ونکہت اور درد کی لطیف کیفیت کی دھیمی دھیمی آنچ سے دل کے آبگینے پگھلتے محسوس ہوتے ہیں ؎

رم جھم رم جھم انکھیاں برسیں جل تھل جل تھل ساگر سارے
پیاسے نیناں کھوجیں تم کو اپنوں میں انجانوں میں
ہولے ہولے کون براجے سپنوں کے سنگھاسن پر
چاندنی جیسے چپ چپ اُترے اُجلے اُجلے دالانوں میں
مرے خیال کی پنہائیاں جھلک اٹھیں
گلاب کہئے کہ نسرین ونسترن ہیں آپ
لراز ~~ادا~~ صندلی باہیں جھلکتے عارض ولب
ہزاروں شوخ حسینوں کا بانکپن ہیں آپ
گھٹائیں زلفوں کو آنکھوں کو میکدہ کہیے
لچکتی شاخِ صنوبر ہیں گل بدن ہیں آپ
گھڑی ہو جائے نہ آپ کے ماتھے کی شکن
میرا کہنا ہے مجھے کچھ دیر تڑپ لینے دو

کوئی قیمت نہ تھی اشک رواں کی تحسین
انھیں آنچل میں میرے جذب تو ہو لینے دو

"کوئی کہدے یہ پردیسی صنم سے"
نظم ہندوستانی عناصر سے مملو ہے چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

جنوں پرور ہوائیں بھی نہ آئیں
پپیہا بھی کوئی بن میں نہ گائے
کبھی کھیتوں میں سرسوں بھی نہ پھولے
نہ شب میں چاندنی بھی گنگنائے
نہ بدرا آئے وہ بیری کہیں سے
بہاروں کا سندیسہ بھی نہ لائے
نہ آموں پہ سکھی کوئل ہی بولے
منڈھیروں پہ کوئی کاگا نہ گائے

اس کے علاوہ میں گھٹ، کنواری، گوری، گھونگھٹ، دھنک رادھا کرشن کی فضا میں اپنی دھرتی کی بو باس اور اپنے گگن کی نیلاہٹ دل کو چھوتی ہے۔ تحسین کی غزلوں میں گردو پیش کے ماحول اور حالات عصر کی جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں مثلاً ؎

زندگی خار بداماں ہے چمن میں اب بھی
قافلے اب بھی بھٹکتے ہیں بیابانوں میں
کس کی کھیتی کون ہے کھیتا، ترسیں دانے دانے کو
پھولوں مرتے ہم نے دیکھا کھیتوں میں کھلیانوں میں

ہم نے سوچا تھا بہاروں میں کھلے گا گلشن
زندگانی کی کڑی دھوپ ہے آنگن آنگن
پھول مرجھائے ہیں منہ بند ہیں ساری کلیاں
خالی خالی ہے یہاں آج بھی دامن دامن
کتنا روشن تھا یہ سپنوں کا حسین تاج محل
نیند ٹوٹی ہے تو دھندلا سا ہے درپن درپن
اک نیا رنگ نیا دور ہے میخانوں میں
انقلابات کی تصویر ہے پیمانوں میں
ایک مہیب سناٹا ہر قدم ڈراتا ہے
سامنے نگاہوں کے ریت کا مکاں کیوں ہے
ڈھل گئی رات وہ آیا ہے اجالے کا سفیر
آگ لگ جائے گی اب ظلم کے ایوانوں میں
جو کل تھی یہاں رسم جفا اب بھی وہی ہے
ہر اہل وفا قابل گردن زدنی ہے
قافلے لٹتے تھے کل تک راہزن کے نام سے
راہبر کے روپ میں اب بھی ہیں کتنے راہزن
تحسین نے ایک شعر میں اپنے مشرب کا بھی اعلان کیا ہے ۔
کوئی تفریق نہیں برتی ہے گلشن میں کبھی
ہم نے کانٹوں کو بھی چاہا ہے گلابوں کی طرح

اسی مشرب نے تحسین کے احساسِ خودی کو بھی بیدار کیا ہے ؎

ہر راستے پہ ہم ہی رہے میرِ کارواں
رہبر رہے ہیں ہم کبھی منزل رہے ہیں ہم
مونس نہیں رفیق نہیں ہم زباں نہیں
خود اپنی ایک ذات سے محفل رہے ہیں ہم

غرض تحسین کا پہلا مجموعہ کلام "دشتِ تمنا" ان کی زندگی کی کھلی کتاب ہے جس میں ان کی زندگی کا ہر رنگ دیکھا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کے مطالعے کے لئے نظرِ خلوص اور دل درمند کی ضرورت ہے

ڈاکٹر جاوید وششٹ
ذاکر حسین کالج۔ دلی

۱۲/ دسمبر ۱۹۸۷ء